پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار

ہمارا آقا

حصہ اوّل

ابتداء سے نبوت تک

مؤلّفہ

شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی

پاک محمّد مصطفیٰؐ نبیوں کا سردار

ہمارا آقا

آنحضرتؐ کی سیرت کے دلچسپ واقعات
سچے افسانوں کی شکل میں

(حصہ اوّل)

ابتداء سے نبوت تک

مؤلفہ
شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

شائع کردہ
نظارت اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ

Rizwan & Sumbul

نذر
اے شہنشاہ اقلیمِ روحانیت! حضور کی بارگاہِ عالی
میں آپ کا ایک نہایت ہی ادنیٰ ترین غلام اپنی انتہائی
بے مائیگی کے باوجود عقیدت ومحبت کے جذبات کے
ماتحت یہ چند اوراق بطور نذر پیش کرنے کی جرأت
کرتا ہے
ع
گر قبول افتد زہے عز و شرف
اسمٰعیل

فہرست مضامین "ہمارا آقا"

پیش لفظ

آقائے دو جہاں، سرورِ کونین رحمۃ للعالمین خاتم النبیّین حضرت رسول مقبول محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور مطہر زندگی کے حالات وواقعات پڑھنے اور سننے میں جس قدر حلاوت اور شیرینی ایک مومن ومسلم کو حاصل ہوتی ہے وہ لائق بیان اور محتاج تحریر نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صرف نام ہی تمام محامد کا سرچشمہ اور تمام فضائل کا منبع ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر واقعہ بلاشبہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

آپ کے وجود اقدس و اعلیٰ سے جو شیفتگی و عشق اور جو محبت ہر مسلمان کو ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے حالات نہایت تحقیق کے ساتھ جمع کرنے میں علمائے کرام نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں آپؐ کی

زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات مقدسہ کو مدون کرنے میں امت کے صلحاء نے اپنی عمر کے بہترین لمحات قربان کر دیئے اور اس راہ میں ہر قسم کی دقتیں مشکلیں اور مصیبتیں اٹھا کر احادیث نبوی کا ایسا عظیم الشان ذخیرہ مہیا کر دیا کہ اسے دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے اور اُن الوالعزم لوگوں کی ہمت وکاوش پر بے اختیار آفریں کہنے کو دل چاہتا ہے جنہوں نے نہایت تلاش وفکر اور انتہائی تحقیق وجستجو کے بعد یہ انمول جواہرات دنیا کے سامنے پیش کئے مگر یہ سب کچھ اسی عشق کا کرشمہ تھا جو حضور ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے ہر مسلمان کو ہے۔

جاؤ! دیکھو اور تلاش کرو دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی اور روئے زمین کا کوئی نامور سے نامور ریفارمر تمھیں ایسا نہ ملے گا جس کی اس قدر سوانح عمریاں لکھی گئی ہوں آج تک کسی انسان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات اس احتیاط، اس تحقیق، اس تفحص کے ساتھ مرتب نہیں کیے گئے جیسے حضور علیہ السلام کے غلاموں نے آپؐ کے کئے۔ اتنا تو کیا، اس سے ہزاروں حصہ بھی کسی کی باتیں جمع نہیں کی گئیں۔ اگر ایک طرف آنحضرت ﷺ کی سوانح عمریاں رکھی جائیں جو ہر زبان میں، ہر ملک میں، ہر زمانہ میں لکھی گئیں اور دوسری طرف باقی تمام دنیا کے مشاہیر کی سوانح حیات اکٹھی کی جائیں تو یقیناً پھر بھی پلہ میرے آقا علیہ السلام ہی کا بھاری رہے گا۔

یورپ کے مورخین اور مصنفین کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے صرف محمد ﷺ کی سوانح حیات لکھنے کے لیے اس کے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین اور

حفاظ دراویان احادیث سے کم از کم بارہ لاکھ انسانوں کی سوانح عمریاں اس تحقیق وتلاش سے مُدوّن کیں کہ دنیا سوانح عمریوں کے اس عظیم الشان ذخیرہ کو دیکھ کر حیران ہے ہمارے تعجب کی اُس وقت انتہا نہیں رہتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق وتنقید اور سیرت وسوانح کا یہ بحر ناپیدا کنار صرف ایک اکیلے انسان کی خاطر عبور کیا گیا۔ لاریب محمد ﷺ کی ذات اور اُسؐ کے وجود سے جس قدر عشق آپؐ کے ماننے والوں کو ہر زمانہ میں رہا ہے اس کی دنیا میں کوئی دوسری نظیر موجود نہیں۔ جیسے جاں نثار صحابہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اگر حضرت نوح علیہ السلام کو ایسے پیرو مل جاتے تو ان کو طوفان کی صعوبتوں سے واسطہ نہ پڑتا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گرد ایسے متبعین جمع ہو جاتے تو ان کی وفات صحرا میں پھرتے پھرتے نہ ہوتی اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے خادم میسر آجاتے تو ان کو اتنی مشکلات پیش نہ آتیں۔

دوسری زبانوں کو جانے دیجئے صرف اردو ہی کو لے لیجئے جس کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں تو آپ کو اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بے شمار سوانح عمریاں ملیں گی کہ اگر کوئی شائق ان کو جمع کرنا چاہے تو اس کے کئی سال خرچ ہوں اور پھر بھی سب جمع نہ کر سکے گا۔

یہ بیان مبالغہ نہیں واقعہ ہے کسی کو اس میں شک ہو تو اس سمندر میں غوطہ مار کر دیکھ لے پانی کی گہرائی کا اسے خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔ میں نے ابتداء سے اب تک مختلف اخباروں اور رسالوں میں دو چار نہیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں مضامین لکھے سات آٹھ اخباروں کا ایڈیٹر رہا، پچاس سے زیادہ

کتابیں تالیف وتصنیف کیں، مگر ہمیشہ اس امر کی شدید خواہش دل میں رہی کہ میں بھی لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جاؤں اور مختصر ہی سہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سوانح عمری مرتب کر جاؤں تا شاید میرے ہزاروں گناہوں اور لاکھوں معاصی کے مقابلہ میں احکم الحاکمین کے روبرو قیامت کے روز وہ میری شفیع ہو۔ اور اس حقیر سی خدمت کے عوض خداوند عالم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں میرے کثیر جرموں اور بے انتہا خطاؤں پر قلم عفو پھیر دے۔

اس عزم اور ارادہ کے بعد میرے سامنے یہ سوال تھا کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم اور ہر طرز کی سوانح عمریاں پہلے ہی بکثرت موجود ہیں تو اس صورت میں میری لکھی ہوئی سوانح عمری کو کون پوچھے گا؟ اگلے بزرگوں نے اس موضوع پر تلاش و تفحص کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا اور ظاہر ہے کہ میں اس پر کوئی زیادہ نہیں کر سکتا پھر شیدائیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا چیز پیش کروں اور کس منہ سے پیش کروں؟

سوچتے سوچتے یہ خیال آیا کہ آج کل کہانیوں اور فسانوں کا ذوق ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کو ہے۔ اور عوام وخواص انہیں نہایت ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔ کیوں نہ اس طرز پر حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ بیان کی جائے؟

مگر یہ میدان بظاہر جتنا آسان اور سہل معلوم ہوتا تھا۔ درحقیقت اتنا ہی کٹھن اور دشوار تھا۔ اس لئے کہ کہانیوں اور فسانوں میں عموماً سب کچھ فرضی اور طبع زاد ہوتا ہے کیونکہ اس کے بغیر لطف زبان اور شگفتگیٔ تحریر پیدا نہیں

ہو سکتی لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کی تحریر کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا یہاں ضرورت تھی نہایت جچے تلے حالات اور صحیح ومستند واقعات کی۔ جن میں جھوٹ کا شبہ اور کذب کا شائبہ تک نہ ہو۔

متذکرہ بالا دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اس اتھاہ سمندر میں کود پڑا اور جو آبدار موتی قعر سمندر میں سے نکال کر لایا ہوں وہ قارئین کی نذر کر رہا ہوں ان موتیوں کی چمک دمک، قدر و قیمت اور خوبصورتی ودلکشی کا ناظرین خود ہی اندازہ لگا لیں گے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ کتاب سلیس اور عام فہم اسلوب میں لکھی جائے۔ ایسی کہ اہل علم اور صاحبانِ ذوق کے علاوہ گھروں کی عام عورتیں، سکولوں کی لڑکیاں، مدارس کے طلباء، اور ملک کے نوجوان اسے بغیر کسی الجھن کے نہ صرف بخوبی سمجھ سکیں بلکہ اس سے حظ اور لطف بھی اٹھائیں۔

اس کے کتاب کے لکھنے سے میرے دو ہی مقصد ہیں ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں تک ان کے مقدس آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحیح، مستند اور سچے واقعاتِ زندگی، نئے اسلوب اور جدید طرز سے ایسے دلچسپ طریقہ پر پہنچا دیے جائیں کہ لوگ انہیں نہایت دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کریں۔

دوسرا مقصد اس تالیف سے میرا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کے واقعات عجیبہ معلوم کرنے کے بعد ہر پڑھنے والا ان پر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کرے۔ خدا کرے کہ یہ دونوں مقصد اس

کتاب کی تالیف سے باحسن وجوہ پورے ہوں آمین یارب العالمین۔

۱۵رمئی ۱۹۶۳ء

حضور کا ادنیٰ ترین غلام

محمد اسماعیل پانی پتی

لاہور۔ رام گلی نمبر ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

(۱) سخت امتحان

آج سے چار ہزار برس پہلے دنیا میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا براعظم ایشیا کے شمال مغربی کونے پر ایک ملک ہے جس کو شام کہتے ہیں اس میں خدا کے ایک بہت بڑے پیغمبر رہا کرتے تھے جن کا نام ابراہیم ؑ تھا۔ حضرت ابراہیم ؑ بوڑھے ہو گئے مگر ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اس پر انہوں نے خدا سے گڑگڑا کر فرزند کے لئے دعا مانگی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور چھیاسی برس کی عمر میں ان کے ہاں ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا بیٹے کا نام انہوں نے اسمٰعیل رکھا جس کے معنی ہیں
''خدا نے (دعا) سن لی''۔

مگر اسماعیل کے پیدا ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے ان

کے باپ حضرت ابراہیم ؑ کا سخت امتحان لینا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابراہیم! جاؤ بچے اور اس کی ماں کو عرب کے لق و دق ریگستان میں چھوڑ آؤ۔

بڑے ارمانوں اور دعاؤں کے بعد بڑھاپے میں اولاد پیدا ہوئی تھی اسے ایک ویرانے میں چھوڑ آنے کے معنی یہ تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو جائے۔

بیوی بادشاہ مصر کی لڑکی تھی نہایت ناز و نعمت سے شاہی محلوں میں پلی ہوئی اسے سنسان بیابان میں تنہا چھوڑ دینے کا مطلب یہ تھا کہ دو ہی دن میں اس کا خاتمہ ہو جائے۔

اگرچہ یہ خطرے حضرت ابراہیم ؑ کے دل میں گزرے مگر بیٹے کی محبت اور بیوی کی الفت پر خدا کا عشق غالب آیا۔ پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ کھجوریں ساتھ لے کر حضرت ابراہیمؑ خدا کا حکم پورا کرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

شہزادی ہاجرہ اپنے معصوم بچے کو چھاتی سے چمٹائے ساتھ تھی۔ چلتے چلتے جب یہ چھوٹا سا قافلہ اس ویران وادی میں پہنچا جہاں آج شہر مکہ آباد ہے تو حضرت ابراہیم ٹھہر گئے۔ مشکیزہ کو زمین پر رکھا۔ کھجوروں کی تھیلی بیوی کے ہاتھ میں دی۔ ننھے بچے کو آبدیدہ آنکھوں سے پیار کیا اور واپس مڑ گئے۔

بیوی چلائی اور درد بھرے الفاظ میں کہنے لگی ''آپ کہاں جا رہے

ہیں اور ہمیں کس پر چھوڑ چلے؟ تھوڑی دیر میں کوئی بھیڑیا آئے گا اور ہم دونوں کو پھاڑ کھائے گا۔''

مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ تو پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اور نہ بات کا جواب دیا۔

مایوس ہو کر شہزادی نے پکار کر کہا۔ ''اچھا اگر جاتے ہو تو جاؤ مگر اتنا تو بتاتے جاؤ کیا تم ہمیں یہاں خدا کے حکم سے چھوڑے جا رہے ہو یا کسی خفگی کی وجہ سے؟''

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ان کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں اور آواز شدت غم کی سے بیٹھ گئی تھی۔ بول تو نہ سکے مگر اشارے سے کہا۔

''ہاں۔''

اس پر شہزادی بولی۔ ''پھر خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا جاؤ شوق سے جاؤ''

یہی شہزادی میرے آقا (علیہ السلام) کی جدہ ماجدہ تھی۔ جن کا نام ہاجرہ تھا۔

(۲) بیقرار ماں

شوہر کے چلے جانے کے بعد بے کس شہزادی نے سوچنا شروع کیا کہ اس کھلے آسمان کے نیچے اور اس چٹیل زمین کے اوپر اس معصوم جان کے ساتھ زندگی کس طرح کٹے گی؟ یہاں نہ کوئی درخت نظر آتا ہے جس کے سایہ میں کچھ دیر بیٹھ جاؤں۔ نہ گھاس پھونس کا کہیں پتہ ہے جس کی جھونپڑی بنا کر اپنے لال کو دھوپ سے بچاؤں۔ اس نے حسرت کے ساتھ خشک پہاڑیوں کو دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

شہزادی نے اپنے لختِ جگر کو جو شاہ مصر کا نواسہ اور پیغمبر شام کا بیٹا تھا۔ پتھریلی زمین پر لٹا دیا۔ نیچے نہ کوئی بوریا تھا نہ کپڑا۔ اور سوچنے لگی ''اب کیا ہوگا''؟

تین چار دن کے بعد جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو ننھا معصوم مارے پیاس کے زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں۔ اور شدت پیاس سے اس کی زبان باہر نکلنے لگی۔

ماں کا دل اس دردناک نظارے سے پاش پاش ہو گیا۔ مگر وہ پانی کہاں سے لائے جو اپنے لال کے منہ میں چوائے؛

یہ خیال کر کے کہ اب بچہ کوئی دم کا مہمان ہے ماں کے چہرے پر

ہوائیاں اڑنے لگیں۔

اس نے پانی کی تلاش میں انتہائی حسرت کے ساتھ چاروں طرف نظر دوڑائی مگر پانی عنقا تھا۔

مامتا کی ماری ماں بڑی بیقراری کے ساتھ سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گئی کہ شاید وہیں سے کہیں پانی کا کوئی چشمہ نظر آ جائے لیکن بے سود۔

وہ وہاں سے اتری اور اس کے بالمقابل دوسری پہاڑی پر چڑھ کر پانی ڈھونڈنے لگی۔ مگر یہاں بھی اسے ناکامی ہوئی۔ اتنے میں شہزادی کو خیال آیا کہ بچہ پیاس سے تڑپ تڑپ کر کہیں مر نہ گیا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی وہ بڑی بے چینی کے ساتھ پہاڑی سے اتری اور دوڑ کر بچے کو گود میں اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔

بچہ ابھی تک زندہ تھا۔ مگر پیاس کے مارے نہایت نڈھال ہو رہا تھا۔ امید پر دُنیا قائم ہے۔ ماں نے سوچا۔ لاؤ ایک مرتبہ اور پہاڑی پر چڑھ کر دیکھوں۔ شاید پانی کا کچھ سراغ لگ سکے۔

وہ پھر دوبارہ پہاڑی پر چڑھی اور دور تک دیکھتی رہی۔ مگر پانی ہوتا تو ملتا۔

مایوس اور دل شکستہ ہو کر شہزادی پہاڑی سے اتر آئی مگر دل نہ مانا اور خیال کرنے لگی کہ لاؤ دوسری پہاڑی پر بھی دوبارہ چڑھ کر قسمت آزمائی کروں۔ مگر پانی کہاں تھا۔ اسی طرح شہزادی نے دونوں پہاڑیوں کے جن کے نام صفا اور مروہ ہیں سات چکر لگائے۔ ہر مرتبہ آتی اور اپنے لختِ جگر کو

دیکھ جاتی۔ اور پھر بڑی بے قراری کے ساتھ پانی کی تلاش میں پہاڑی پر چڑھ جاتی۔

یہی مقدس بچہ میرے آقا (علیہ السلام) کا جدامجد تھا جس کا نام اسمٰعیل (علیہ السلام) تھا۔

(۳) غیبی چشمہ

ساتویں دفعہ جب ماں اپنے بچے کی خیریت دریافت کرنے آئی ۔تو اسنے بڑی حیرت سے دیکھا کہ جہاں بچہ مارے پیاس کے ایڑیاں رگڑ رہا ہے وہاں کچھ کچھ نمی نظر آتی ہے۔اور اس نمی میں پانی جھلک رہا ہے۔مسرت اور تعجب کے انتہائی جذبات کے ساتھ بڑی پھرتی سے شہزادی آگے بڑھی اور بچے کا پاؤں آہستہ سے ہٹا کر ہاتھوں سے زمین کریدنے لگی۔

اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جب مٹی ہٹاتے ہے زمین میں سے پانی نکلنے لگا۔جوں جوں شہزادی مٹی ہٹاتی۔پانی زور سے نکلتا یہاں تک کہ زمین پر بہنے لگا۔

انبساط کے مارے مایوس ماں کی باچھیں کھل گئیں اس نے دوڑ کر بچے کو گود میں اٹھالیا اور چلو میں پانی لے کر اسے پلایا تب کہیں بچے کی جان میں جان آئی اور اس نے اپنی کٹوراسی آنکھیں کھول دیں جنہیں دیکھ کر شہزادی فرط مسرت سے بے خود ہوگئی اور بے اختیار خدا کے حضور سجدے میں گر پڑی جس نے اپنی قدرت سے اس پتھریلی زمین میں چشمہ پیدا کردیا تھا۔

پانی اب بھی بہہ رہا تھا اور اس کی نکاسی میں برابر زیادتی ہوتی جا

رہی تھی۔

شہزادی نے یہ دیکھا تو جلدی جلدی آس پاس سے پتھر اکٹھے کئے اور چشمے کے چاروں طرف ایک ڈول بنادی تا کہ پانی بہہ کر ضائع نہ ہو جائے۔

پانی بہت جلد پتھروں کے کناروں تک آ گیا اور ایک حوض سا بن گیا عرب میں پانی بہت ہی کم تھا مختلف قبیلے اپنے ڈیرے خیمے لئے سارے ملک میں ادھر سے ادھر پھرتے رہتے تھے جہاں پانی دیکھتے وہیں خیمے لگا کر اتر پڑتے جب تک پانی رہتا وہ بھی وہاں پڑے رہتے جب خشک ہو جاتا تو اپنے خیمے اکھاڑ دوسرے چشمے کی تلاش میں آگے روانہ ہو جاتے۔

یہاں بھی یہی ہوا ایک قبیلہ جس کا نام جرہم تھا اتفاق سے ادھر سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ چٹیل اور پتھریلی وادی میں پانی کا ایک چشمہ جاری ہے اور ایک عورت بچے کو گود میں لئے وہاں بیٹھی ہے۔

پانی کو دیکھ کر قبیلے والوں کا دل للچایا انہوں نے کہا نیک خاتون! اس ویران وادی میں آپ اکیلی کس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہوں گی؟ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟

شہزادی نے جواب دیا ”میں مصر کی رہنے والی ہوں اور شام سے آئی ہوں اور میرے شوہر خدا کے حکم سے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔میرے بچے کے لئے اللہ تعالی نے محض اپنی قدرت سے اس جنگل میں چشمہ جاری کردیا ہے یہ سن کر قبیلے والوں نے کہا ”اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس چشمہ کے

آس پاس آباد ہو جائیں ہمیں پانی مل جائے گا اور آپ کا اکیل پن دور ہو جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کے اس عجیب انتظام کو دیکھ کر شہزادی حیران رہ گئی مگر اس نے بہت ہی خوددارانہ لہجے میں جواب دیا کہ "بے شک آباد ہو جائیں میرا کوئی ہرجہ نہیں لیکن میں چونکہ چشمے کی مالک ہوں اس لئے شرط یہ ہے کہ پانی کے معاوضہ میں آپ لوگ میری اور میرے بچے کی ضروریاتِ خوردونوش کا خیال رکھیں اور یہ بچہ بڑا ہو کر آپ کا سردار ہو، میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ یہ معمولی لڑکا نہیں اور بلکہ شاہ مصر کا نواسہ اور ابراہیم پیغمبر کا بیٹا ہے۔"

قبیلے والوں نے بڑی ہی خوشی اور احسان مندی کے ساتھ یہ دونوں شرطیں مان لیں اور وہاں آباد ہو گئے۔

اس طرح شہر مکہ کی بنیاد پڑی، جو آج تمام مسلمانوں کا مذہبی مرکز ہے چشمہ بھی موجود ہے اگرچہ اس کا پانی نیچے اتر کر اب ایک کنوئیں کی شکل میں تبدیل ہو چکا ہے جس کا نام "زمزم" ہے۔

بعضے واقعات عام نظر میں معمولی ہوتے ہیں مگر ان کا اثر اکثر اوقات نہایت عظیم الشان ہوتا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے اسی واقعہ کو دیکھو ان کا پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا بظاہر ایک معمولی بات تھی مگر یہی واقعہ بعد میں ایک یادگار بن گیا۔ چنانچہ آج بھی جب ہزاروں لاکھوں مسلمان مکہ معظّمہ حج کے لئے جمع ہوتے ہیں تو حج کے دوسرے ارکان کے ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان بھی ضرور دوڑتے ہیں۔

بعد کے ایام میں ان ہی تاریخی پہاڑیوں میں سے ایک پر چڑھ کر میرے آقا ﷺ نے سب سے پہلے اعلان نبوّت فرمایا تھا۔

❋

(۴) بیٹے کی قربانی

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ کی کھلی ہوا میں پرورش پا کر جوان ہو گئے تو ان کے مقدس باپ کا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ امتحان لینا چاہا۔ یہ امتحان پہلے سے بھی سخت تھا۔

خدا نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ’’جاؤ اور اپنے بیٹے کو چھری سے ذبح کر ڈالو۔‘‘

دنیا میں ایسا کب ہوا؟ اور آسمان نے ایسا نظارہ کب دیکھا؟ یہ تو ایسی بات ہے کہ اس کے صرف خیال ہی سے آدمی کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے سچے عاشق تھے وہ خواب دیکھتے ہی چھری لے کر سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب مکہ پہنچے تو سعادت مند اور لائق فرزند نے بڑے شوق اور ادب کے ساتھ باپ کی آؤ بھگت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو الگ لے گئے اور اس سے کہنے لگے ’’مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں۔ بول تیری کیا مرضی ہے۔‘‘

اسماعیلؑ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے ایک لحظہ تامل کئے بغیر انہوں نے جواب دیا کہ ’’میرے محترم باپ جو کچھ حکم دیا گیا ہے

اسے فوراً بجا لائیں۔ مجھے آپ انشاءاللہ صابر اور فرمانبردار پائیں گے۔‘‘

باپ بیٹا دونوں جنگل میں گئے پندرہ برس کا نوجوان لڑکا زمین پر لیٹ گیا اور سو برس کا بوڑھا باپ چھری لے کر اسے اپنے رب پر قربان کر دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

آسمان و زمین اس دلدوز نظارے سے کانپ اٹھے اور فرشتوں نے اس عجیب منظر کو حیرت سے دیکھنا شروع کیا۔ دنیا کی تمام تاریخیں پڑھ جاؤ تمہیں تاریخ عالم کا کوئی بھی واقعہ ایسا حیران کن نظر نہیں آئے گا۔

باپ کا دل کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے نور نظر کا گلا کاٹے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام عشق خداوندی میں اتنے مدہوش تھے کہ انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ میں کیا کرنے لگا ہوں۔

انہوں نے چھری اٹھائی اور بیٹے کے گلے پر رکھ دی۔

فوراً آسمان کے دروازے کھلے اور خدائی آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی ’’ابراہیم! ہمارا مقصد تیرے بیٹے کی قربانی نہیں تھا بلکہ ہم اپنے رنگ میں تیری محبت اور وفا کا امتحان لینا چاہتے تھے، تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور امتحان میں پورا اترا۔ جا! آج سے ہم نے تجھے قوموں کا امام بنایا۔ تو ہماری رضا کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہم اس کے عوض میں تجھے اتنی اولاد عطا فرمائیں گے کہ زمین پر ریت کے ذرے اور آسمان پر ستارے گنے جائیں گے مگر تیری نسل نہیں گنی جائے گی، اپنے فرمانبرداروں کو ہم ایسا ہی انعام دیا کرتے ہیں۔‘‘

اپنے خدا کا یہ پیغام سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی چھاتی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے شکر گزاری کے طور پر ایک مینڈھا ذبح کر دیا۔

بقر عید کی قربانی کا حکم اسی واقعہ کو تازہ رکھنے کے لئے دیا گیا ہے۔

(۵) دنیا کی پہلی مسجد

جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونو خدا کی محبت اور اس کی تابعداری میں ثابت قدم ثابت ہوئے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اب تم دونوں میری عبادت کے لئے مکہ میں ایک مسجد بناؤ میں اسے اتنی برکت دوں گا کہ لوگ مشرق و مغرب سے اس کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔''

دونوں باپ بیٹوں نے خدائی حکم کی تعمیل میں خود اپنے ہاتھوں سے مسجد بنائی۔ مگر یہ مسجد اتنی سادہ تھی کہ نہ اس کی چھت تھی، نہ کواڑ، نہ چوکھٹ۔ صرف ایک معمولی سی چار دیواری۔ ۹ ہاتھ اونچی ۳۲ ہاتھ لمبی اور ۲۲ ہاتھ چوڑی۔ نیچ کا فرش بھی پختہ نہیں تھا۔

یہ وہی مسجد ہے جو آج خانہ کعبہ کے نام سے مشہور ہے۔ خدا نے حسب وعدہ اس کو اتنی برکت دی کہ یہ آج چودہ سو برس سے مسلمانوں کا قبلہ ہے تمام دنیا کے مسلمان اس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور ہر سال ہزاروں کی تعداد میں دنیا کے مختلف حصوں سے آکر اس کا حج کرتے ہیں۔

(۶) عجیب دعا

جب خدا کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو انہوں نے بڑے ہی خلوص اور نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ البقرة: ۱۳۰

یعنی "اے ہمارے پروردگار! ان مکے والوں میں اپنا ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور ان کو دانائی اور حکمت کی باتیں سکھائے اور ان کے دلوں کو پاک کرے اے خدا! تو بڑی قدرتوں والا اور صاحب تدبیر ہے۔"

یہ عظیم الشان تاریخی دعا ڈھائی ہزار برس کے بعد اپنی پوری شان سے اس وقت قبول ہوئی جب ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل کی نسل سے سرزمین مکہ میں پیدا ہوئے اور دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے جگمگا اٹھی۔

(۷) انوکھی منت

عرب میں قریش کی قوم سب سے زیادہ معزز تھی اور قریش میں بنی ہاشم کا قبیلہ سب سے زیادہ شریف سمجھا جاتا تھا عبدالمطلب بن ہاشم اس قبیلہ کے رئیس اور مکہ کے سردار تھے کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے تمام عرب ہی ان کی عزت کرتا تھا۔

عبدالمطلب نے ایک دفعہ ایک ایسی عجیب منت مانی کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے آج تک کسی نے نہ مانی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اگر میرے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور سارے میرے سامنے جوان بھی ہو گئے تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو خدا کے نام پر قربان کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی عجیب ہے کہ ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور دسوں ہی ان کی زندگی میں جوان ہو گئے۔

منت مانتے وقت تو عبدالمطلب کو کچھ بھی خیال نہ تھا مگر جب اسے پورا کرنے کا وقت آیا تو بڑے سٹ پٹائے .... لیکن آدمی بات کے سچے اور دل کے پکے تھے سارے بیٹوں کو خانہ کعبہ میں لے گئے تاکہ حسب وعدہ ان میں سے ایک کو قربان کردیں۔

کعبہ میں پہنچ کر انہوں نے قرعہ ڈالا تو وہ ان کے سب سے

چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا جن کی عمر اگرچہ ابھی صرف ۱۷ برس کی تھی مگر سارے بیٹوں میں سب سے زیادہ لائق اور نیک تھے۔ علاوہ ازیں صورت شکل کے لحاظ سے بھی اپنے سب بھائیوں سے بہتر تھے اس وجہ عبدالمطلب کو ان سے بہت محبت تھی ویسے بھی چھوٹی اولاد سے عام طور پر والدین کو زیادہ محبت ہوا ہی کرتی ہے۔

اس لئے جب عبداللہ کے نام قرعہ نکلا تو عبدالمطلب قدرتاً بہت گھبرائے مگر بہرحال انہوں نے منت پوری کرنی چاہی۔

اتنے میں قریش کے بہت سے آدمی کعبہ میں جمع ہو گئے اور جب انہوں نے یہ قصہ سنا تو عبدالمطلب سے کہنے لگے "ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اتنا لائق نوجوان اس طرح موت کی نیند سلا دیا جائے آپ یہ کام کریں کہ دس اونٹوں اور عبداللہ پر قرعہ ڈالیں اگر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا تو انہیں ذبح کر ڈالیں۔ چنانچہ دوسری دفعہ قرعہ ڈالا گیا مگر اس وقت بھی عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ لوگوں نے پھر کہا کہ اچھا اب بیس اونٹوں اور عبداللہ پر قرعہ ڈالو لیکن اس مرتبہ بھی قرعہ میں عبداللہ ہی کا نام آیا۔

قوم کے بار بار اصرار سے عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے رہے مگر ہر بار قرعہ عبداللہ کے نام ہی نکلتا رہا۔

آخر جب تعداد ایک سو اونٹوں تک پہنچ گئی اس وقت قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔

یہ دیکھ کر عبدالمطلب نہایت خوش ہوئے مگر انہوں نے مزید

اطمینان کے لئے دوبارہ قرعہ ڈالا اس وقت بھی وہ اونٹوں کے ہی کے نام نکلا۔

اس کے بعد انہوں نے انتہائی مسرت کے ساتھ عبداللہ پر ایک سو اونٹ قربان کر دیئے۔

یہی عبداللہ ہمارے حضرت **محمد** ﷺ کے والد تھے۔

(۸) عظیم الشان خواب

جتنے سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں ان میں سب سے زیادہ روشن اور خوبصورت سیارہ زہرہ ہے۔ اسی ستارے کے نام پر عرب میں ایک قبیلہ بنی زہرہ تھا۔

یہ قبیلہ مکہ میں آباد تھا اور قریش کے معزز قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ وہب بن عبد مناف اس قبیلہ کے ایک نمایاں شخص تھے۔ انہی وہب کی ایک بیٹی تھی۔ بہت ہی نیک سلیقہ شعار اور خوش مزاج۔

جب یہ بڑی ہوئی تو اس کی شادی قبیلہ بنی ہاشم کے سردارِ قریش عبدالمطلب کے فرزند عبداللہ سے ہوگئی جن کا ذکر تم ابھی پڑھ چکے ہو۔ ابھی شادی کو تین دن ہی گزرے تھے کہ شوہر تجارت کے لئے شام چلا گیا اور واپسی میں جس وقت مدینہ پہنچا تو نہایت شدید بیمار ہوگیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد وہیں اس کا انتقال ہوگیا۔ جب یہ منحوس خبر مکہ میں بیوی نے سنی تو مارے غم کے بیچاری کا برا حال ہوا۔ ہر وقت شوہر کے غم میں آنسو بہاتی اور اسے یاد کر کے روتی رہتی تھی۔

عرب میں عورت بیوہ ہو جاتی تو دوسرا خاوند کر لیتی مگر اس لڑکی کو اپنے شوہر سے اتنی محبت تھی کہ اس نے ارادہ کر لیا کہ اب ساری عمر دوسری

شادی نہیں کروں گی اور باقی ساری زندگی اپنے شوہر کی یاد میں گزار دوں گی۔ اب اس کا کام ہر وقت گریہ زاری اور آہ و بکا تھا نہ اسے کھانا اچھا لگتا نہ پینا، نہ وہ کپڑے بدلتی تھی نہ کنگھی چوٹی کرتی، غم کی تصویر بنی ہر وقت بیٹھی رہتی۔ اس طرح کئی مہینے گزر گئے مگر لڑکی کے رنج میں کمی نہ آئی۔

ایک روز اس نے خواب میں دیکھا جیسے تمام عالم میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے نہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا ہے نہ کچھ نظر آتا ہے یکایک اس کے سینے سے ایک نہایت چمکتا ہوا نور نکلا اور بڑھتا رہا یہاں تک کہ ہر جگہ چھا گیا۔ اور دنیا کا کونہ کونہ جگمگا اٹھا۔

بھولی بھالی لڑکی کچھ بھی نہ سمجھ سکی کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہوئی؟ مگر ہاں اسے اپنے رنج و غم میں کچھ سکون سا ضرور محسوس ہوا۔ جانتے ہو یہ لڑکی کون تھی؟

اس کا نام آمنہ تھا اور یہی ہمارے حضور ﷺ کی والدہ محترمہ ہیں۔

(۹) خواب کی تعبیر

اس غم نصیب عورت کو اس دنیا میں کیا خوشی حاصل ہو سکتی ہے جو صرف چند دن کی بیاہی بیوہ ہو گئی ہو۔ جہان اس کے لئے تاریک اور زندگی اس کے لئے قید خانہ تھی آخر خدائے پاک نے عرش سے اس کے رنج وغم کو دیکھا اور نہایت شفقت سے اس پر اتنی مہربانی فرمائی کہ دنیا میں نہ اس سے پہلے کسی عورت پر اتنا کرم ہوا اور نہ اس کے بعد قیامت تک کسی خاتون پر ہوگا یعنی اس کو خدا کے فرشتے کے ذریعے اس بیٹے کی بشارت دی جو ایک دن تمام اولین اور آخرین کا فخر اور کل بنی آدم کا روحانی سردار ہونے والا تھا۔ لڑکی کی خوشی اور مسرت کی انتہا نہ رہی جب پیر کے دن اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بچہ کیا تھا چاند ایک کا ٹکڑا تھا جو آسمان سے ٹوٹ کر آمنہ کی گود میں آپڑا تھا۔

بچے کو دیکھ کر ماں کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے بڑی محبت سے اسے اٹھایا پیار کیا اور چھاتی سے لگا لیا۔ بچے کے وجود میں اسے دنیا جہان کی خوشیاں جھلکتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ اس کے مرحوم شوہر کی زندہ یادگار تھا۔ فوراً لڑکے کے دادا کو خبر کی گئی وہ آئے تو پوتے کو دیکھ کر ان کو اپنے مرحوم بیٹے کی یاد آ گئی۔ اور بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

آمنہ نے لڑکے کو دادا کی گود میں دیا اور کہنے لگیں کہ میں نے اس

کی پیدائش سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا اور ساری دنیا میں پھیل گیا۔

دادا نے جواب دیا: ''اس خواب کی تعبیر یہ بچہ ہے۔''

یہ عظیم الشان بچہ بڑا ہو کر تمام دنیا کا روحانی سردار بنا اور نسل انسانی کی نجات کا باعث ہوا کیونکہ اسی کے نور سے کفر کی ظلمت دور ہوئی اور توحید کی روشنی سے تمام دنیا جگمگا اٹھی۔

(۱۰) قوم کا تعجب

عبدالمطلب بوڑھے ہو گئے تھے مگر آج تک انہوں نے ایسا حسین وجمیل بچہ نہیں دیکھا تھا وہ ان کی گود میں ایک چھوٹا سا فرشتہ معلوم ہوتا تھا بچے کو گود میں لئے ہوئے عبدالمطلب کعبے میں چلے گئے تا کہ وہاں اس کی عمرو اقبال کے لئے دعا کریں۔

کعبے میں اس وقت قریش کے معزز لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بچے کی شکل دیکھ کر حیران رہ گئے اور اپنے سردار کو مبارک باد دینے لگے۔ پھر پوچھا کے آپ نے پوتے کا نام کیا رکھا ہے؟

عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے اس کا نام محمد☆ رکھا ہے۔

یہ عجیب اور انوکھا نام سن کر قریش کے بت پرست لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ان کے لئے یہ نام بالکل نیا تھا۔

آخر ایک آدمی نے ذرا جرأت کر کے کہا۔

''ہمارے معزز سردار! آپ نے اپنے پوتے کا یہ کیا نام رکھا؟ کسی بت کے نام پر کوئی اچھا سا نام رکھا ہوتا''۔

سردار قریش مسکرائے اور فرمانے لگے:

☆ محمد کے معنے ہیں ایسا انسان جس کی لوگ بے حد تعریف کریں۔

''میری بڑی خواہش ہے کہ میرا پیارا بیٹا دنیا بھر کی ستائش کا مستحق ہو، ہر قسم کی بھلائی اور خوبی اس میں پائی جائے اور ہر شخص اس کی تعریف وتوصیف کرے۔ اس لئے میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور اس کی ماں نے بھی کچھ ایسا ہی سا خواب دیکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہو کر بہت بڑا آدمی بنے گا''۔

یہ تھی ہمارے آقا کی پیدائش!

دنیا میں کسی انسان کی تمنا اور آرزو واتنی عمدگی اور ایسی خوبی کے ساتھ کبھی پوری نہ ہوئی ہوگی جیسی عبدالمطلب کی ہوئی۔ چنانچہ دیکھ لو! آج تک ہر حیثیت کے کسی شخص کی تعریف اتنی نہیں کی گئی جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی، کی گئی۔ آپ کو اگرچہ چودہ سو برس کے قریب ہو چکے ہیں مگر اس طویل عرصے میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جس میں آپ کی تعریف و توصیف دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں نہ ہوئی ہو۔ عرش پر خدا، آسمانوں پر فرشتے، اور زمین پر انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر تعریف کرتے رہتے ہیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ پانچ وقت نمازوں میں اپنے آقا پر درود بھیجے۔ زبان سے تعریف کرنے کے علاوہ آپ کے منہ سے نکلے ہوئے مقدس کلمات (یعنی حدیثوں) کو جمع اور مرتب کرنے میں سینکڑوں علماء نے اپنی زندگیاں وقت کر دیں۔ اور بڑے بڑے مجموعے احادیث کے لکھ کر ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ دنیا میں آج کروڑوں انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات طیبات پر عمل کرنا اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت تک کسی بڑے سے بڑے آدمی کی باتیں اس طرح قلم بند نہیں ہوئیں۔

پھر دیکھو! ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں ہمارے آقا کی اتنی بکثرت سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں کہ حد وشمار سے باہر ہیں۔ دنیا کی ابتداء سے لے کر آج تک کسی انسان کی اس قدر زیادہ سوانح عمریاں نہیں لکھی گئیں ع

کوئی بتلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

غرض دنیا کے کسی ہادی، کسی رسول، کسی پیغمبر، کسی رہنما، کسی لیڈر اور کسی ریفارمر کی اتنی تعریف نہیں ہوئی جتنی ہمارے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہو رہی ہے۔ اور ہوتی رہے گی۔

(۱۱) کھایا ہوا بھوسا

جس سال ہمارے حضرتؐ پیدا ہوئے اسی سال مکہ کی سرزمین میں حضورؐ کی ولادت سے ۵۰ دن پہلے ایک بڑا ہولناک واقعہ ہوا۔ جس سے قریب تھا کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی اور اتنی خوں ریزی ہوتی کہ سارا شہر ویران ہو جاتا مگر خدا نے ہمارے آقاؐ کی برکت سے سب کو بچا لیا۔

ہوا یہ کہ عرب کے جنوب مغربی علاقہ کے ایک حصہ کا نام یمن ہے جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے سمندر کے دوسرے سرے پر حبش کا ملک ہے جسے آج کل ابی سینیا کہتے ہیں۔ اس وقت حبش کا عیسائی تھا اور یمن کا علاقہ اس کے ماتحت تھا یمن کے عیسائی گورنر کا نام ابرہہ تھا اس نے جب دیکھا کہ یمن سے ہر سال سینکڑوں عرب حج کرنے مکہ کو جاتے ہیں تو اسے بہت ناگوار گزرا اس نے ان کو روکنے کی بہت تدبیر کی کہ دارالسلطنت صنعا میں بڑے اہتمام سے ایک عالیشان گرجا بنوایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ بجائے اتنی دور جانے کے پاس کے پاس اس گرجا کا طواف کرلیا کریں۔

عرب کے لوگوں کو بھلا یہ بات کیسے گوارا ہو سکتی تھی کہ کعبہ مقابلے میں وہ ایک گرجا کی تعظیم کریں وہ اس کا طواف تو کیا کرتے یہ کام کیا کہ چپکے چپکے جا کر اس میں جگہ جگہ نجاست ڈال دی۔ اور پھر وہاں سے بھاگ

آئے۔عربوں کی اس حرکت پر ابرہہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی اس نے ایک زبردست فوج جمع کی اور ساٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ مکہ پر حملہ کر دیا۔ تا کہ گرجا کی ہتک کے بدلہ میں کعبہ کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے۔

ابرہہ جب مکہ کے قریب پہنچا تو عبدالمطلب کے کچھ اونٹ شہر سے باہر میدان میں چر رہے تھے لشکریوں نے ان کو پکڑ لیا۔

عبدالمطلب کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ابرہہ کے پاس گئے۔

جونہی ابرہہ نے سنا کہ سردار قریش میرے پاس آ رہے ہیں وہ بڑا ہی خوش ہوا اور اس نے سمجھا کہ غالبا اطاعت کا اقرار کرنے اور یہ التجا کرنے آ رہے ہیں کہ کعبہ کو نہ ڈھایا جائے اور ہمارے قصور کو معاف کر دیا جائے۔

اس نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور عزت سے اپنے پاس بٹھایا مزاج پوچھے اور پھر دریافت کیا کہ کیسے تشریف لائے؟

عبدالمطلب نے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے فوجیوں نے میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ مہربانی فرما کر واپس کروا دیں۔"

ابرہہ نے حیرت سے سردار قریش کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:

"اونٹ تو آپ لے جائیں مگر آپ کا نام سن کر اور آپ کی صورت دیکھ کر جو قدر آپ کی میرے دل میں پیدا ہوئی تھی وہ آپ کی اس درخواست سے بالکل جاتی رہی آپ کو اپنے کعبہ کا تو کچھ خیال نہ ہوا جس

کے ڈھانے اور گرانے کے لئے میں اتنا بڑا لشکر لے کر آیا ہوں کہ اگر سارے عرب کے باشندے مل کر بھی اس کا مقابلہ کریں تو ایک بھی سلامت بچ کر نہ جائے مگر کعبہ کی بجائے آپ کو چند اونٹوں کی فکر ہوئی ایسی سطحی بات سردار قریش کے منہ سے نہیں نکلنی چاہئے تھی۔

عبدالمطلب بڑی بے پروائی سے ہنسے اور فرمانے لگے

"اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَ لِلْبَيْتِ رَبٌّ يَّمْنَعُهٗ"

"یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں پس ان کے چھڑانے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت خود کرے گا اس کے لئے مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

ابرہہ نے طیش میں آ کر کہا "اچھا میں دیکھوں گا کہ کعبہ کا مالک کعبہ کو میرے ہاتھ سے کیسے بچاتا ہے"

عبدالمطلب بولے "جی ہاں آپ بھی دیکھئے اور ہم بھی دیکھیں گے" یہ کہا اور اٹھ کر چلے آئے۔

ابرہہ نے فوراً فوج کو تیاری حکم دیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔ مگر جونہی ابرہہ ہاتھی پر بیٹھا ہوا کعبہ کی طرف بڑھا دفعتہً لاکھوں پرندے پہاڑوں کے پیچھے سے اڑتے ہوئے آئے اور ساری فضا پر چھا گئے۔ ہر ایک کے پنجے میں ایک ایک زہریلی کنکری تھی۔ لشکر کے جس سپاہی پر وہ کنکر پڑی ہلاک ہو گیا۔

قرآن کریم نے اس سارے واقعے کو صرف چند لفظوں میں اس خوبی متانت اور عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ فصاحت حیران رہ گئی۔ اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿١﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿٢﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿٣﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿٥﴾

یعنی اے مخاطب کیا تو نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا اس نے ان کے عزم وارادہ کو خاک میں نہیں ملا دیا؟ خدا نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندوں کے بھیجے جو ان کو پتھر کی کنکریوں سے مارتے تھے پس کر دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند۔

ابرہہ پر کنکری تو کوئی نہ پڑی مگر اسے کنکری سے زیادہ سزا ملی یعنی اس کے جسم کی کھال جگہ جگہ سے گل کر جھڑنے لگی جس کی شدید تکلیف وہ برداشت نہ کر سکا اور درد وکرب سے چلاتا ہوا جہنم کو روانہ ہوا۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی مگر جس پر پڑتی ہے اتنے زور سے پڑتی ہے کہ دنوں جہان میں اس کا تھل بیڑا غرق کر کے رکھ دیتی ہے۔

(۱۲) یتیم کی دائی

عرب میں دستور تھا کہ دیہات سے ہر چھٹے مہینے عورتیں شہروں میں آتیں اور شرفاء کے شیر خوار بچوں کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے لئے گاؤں میں لے جایا کرتی تھیں۔ اس سے ان عورتوں کو تو یہ فائدہ ہوتا کہ ان کی روزی کا معقول سامان ہو جاتا کیونکہ کہ بچوں کے والدین ان کو اس خدمت کا بہت معقول معاوضہ دیتے تھے ماں باپ کو یہ فائدہ ہوتا کہ ان کے ننھے بچے دیہات میں پرورش پا کر خوب مستعد اور چست وچالاک ہو جاتے۔

اسی دستور کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت بھی بنو سعد کی عورتیں مکہ کے شرفاء کے بچوں کو لینے آئیں اور ہر ایک عورت نے جلدی جلدی امیر امیر بچوں کو سنبھال لیا مگر آمنہ کے لعل کی طرف کسی نے توجہ بھی نہ کی۔ کیونکہ ایک تو یتیم بچہ تھا۔ اور یتیم بچہ عربوں میں منحوس سمجھا جاتا تھا دوسرے غریب ماں کے پاس کھلائی کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا اس لئے کس امید پر کوئی عورت یہاں آتی اور بچے کے لئے درخواست کرتی۔

جب آمنہ نے سنا کہ دیہات سے عورتیں بچوں کو لینے آئی ہیں تو وہ خیال کرنے لگی کہ اگر اس وقت بچے کا باپ زندہ ہوتا یا میں مالدار ہوتی تو

کوئی عورت میرے بچے کو بھی لینے آتی لیکن یہاں دونوں چیزیں نہ تھیں۔ناچار غریب بیوہ آہ کھینچ کر اور دل مسوس کر رہ گئی۔

انہی عورتوں میں حلیمہ نام کی ایک دائی بھی تھی بیچاری غریب بھی تھی اور کمزاور بھی اُس کو بہت دوڑ دھوپ کے باوجود کوئی بچہ نہ ملا۔ و

ہ بڑی حسرت کے ساتھ اپنی ساتھی عورتوں کو تک رہی تھی جن کے پاس بڑے بڑے امیروں کے بچے تھے۔

غریب حلیمہ بچہ نہ ملنے پر غمگین تھی مگر قسمت سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اور فرشتے آسمان سے جھانک کر کہہ رہے تھے کہ ''حلیمہ! تجھے بچہ نہیں بنی نوع انسان کا سردار اقلیم روحانیت کا تاجدار ملنے والا ہے ذرا صبر تو کر''۔

جب حلیمہ کو باوجود سخت کوشش کے کوئی بچہ نہ ملا تو اس نے بہت مایوس ہو کر اپنے شوہر سے کہا کہ اگر تم کہو تو میں جا کر آمنہ کے بچے ہی کو لے آؤں؟

اگرچہ وہ یتیم ہے اور اس کی ماں کے پاس دینے دلانے کو بھی کچھ نہیں، لیکن اگر میں کسی بچے کو نہ لے گئی تو میرے ساتھ کی دوسری عورتیں میرا مذاق اڑائیں گی اور مجھے طعنے دیں گی اس لئے ''بیکار سے بیگار بھلی''۔بولو! تمہاری کیا مرضی ہے؟

شوہر کا نام حارث تھا سن کر کہنے لگا ''مجبورا یہی کرنا پڑے گا۔

''**لاچاری بڑی بَت سے بھاری**'' قبیلے میں آخر عزت بھی تو رکھنی ہی ہے۔''

میاں بیوی کی اس گفتگو کے بعد حلیمہ آمنہ کے پاس آئی اور کہنے

لگی ''میں آپ کے بچے کو لینے آئی ہوں۔اگر آپ دے دیں تو لے جاؤں۔''

آمنہ نے جواب دیا ''مگر میں تمہاری داد و ست کا معاوضہ کہاں سے دوں گی؟ کیونکہ نہ بچے کا باپ زندہ ہے اور نہ میں امیر ہوں''

حلیمہ نے کہا ''میں اس خیال سے نہیں آئی، صرف بچے کو لینے آئی ہوں''

ماں بولی ''تمہارا شکریہ! لیکن آخر ہر شخص بدلہ کی امید میں ہی دوسرے کا کام کیا کرتا ہے''

حلیمہ نے جواب دیا '' نہیں مجھے بدلہ اور معاوضہ کی خواہش نہیں میں صرف بچہ چاہتی ہوں''۔

یہ کہہ کر نہایت اصرار سے بچہ کو لے گئی۔

حلیمہ تجھے کیا خبر تھی کہ جس غریب اور یتیم بچہ کو تو لے جا رہی ہے وہ تیرے لئے مکہ کے تمام امیر کبیر بچوں سے زیادہ خوش نصیب ثابت ہوگا۔ حلیمہ خود کہتی ہے کہ محمدؐ کو لے جاتے ہی ہماری تنگ دستی غربت اور مفلوک الحالی، آرام و راحت اور خوشحالی سے بدل گئی۔ ہماری کمزور اور سست رفتار اونٹنی قبیلے کی ساری اونٹنیوں سے زیادہ چاق و چوبند ہوگئی اور ہماری بکریاں خاندان کی سب بکریوں سے زیادہ دودھ دینے لگیں اگرچہ شروع میں حلیمہ بہت ہی بے دلی کے ساتھ مجبوراً بچہ کو اس کی ماں سے لائی تھی مگر آج اپنے انتخاب پر پھولی نہیں سماتی تھی۔

(۱۳) برکت کی پوٹ

ننھا معصوم بچہ حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پاتا رہا اور حلیمہ اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی رہی کیونکہ کہ محض اس کے دم سے اس کا گھر برکت کی پوٹ بن گیا تھا۔

دو برس آنکھ جھپکتے ہی گزر گئے اور حسب دستور وہ وقت آ پہنچا جب عام طور پر بچوں کو عورتیں واپس مکہ لا کر ان کے ماں باپ کے سپرد کر دیتی تھیں۔

اب تو میاں بیوی بڑے گھبرائے نہ بچے کو قاعدہ کے مطابق رکھ سکتے تھے نہ کسی طرح ان کا دل چاہتا تھا کہ ایسا بابرکت بچہ ان کے ہاں سے جائے کیونکہ انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ بچہ ساری برکت بھی اپنے ساتھ ہی لے جائے گا علاوہ ازیں بچے سے محبت بھی اتنی ہو گئی تھی کہ حلیمہ کا دل کسی بھی طرح اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ مگر دستور سے مجبور تھی ناچار بچے کو لے کر مکہ میں آئی اور آمنہ سے بڑی عاجزی سے کہنے لگی کہ ''میں آپ کا بچہ تو لے آئی ہوں لیکن اتنی محبت ہو چکی ہے کہ کسی طرح بھی اس سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ اگر آپ اتنی مہربانی کریں کہ کچھ دنوں اور اسے میرے پاس رہنے دیں تو میں اس عنایت کے لئے آپ کی بہت ممنون ہوں گی، ویسے میرا کچھ

زور نہیں بچہ آپ کا ہے اور آپ کو مبارک رہے۔''

اتفاق سے ان دنوں مکہ کی آب و ہوا کچھ خراب تھی اور حلیمہ کا بے حد اصرار بھی تھا اس لئے دونوں باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آمنہ نے فرمایا:

''تم نے اتنے دنوں محبت کے ساتھ اس کی پرورش کی ہے میں تمہارا دل میلا کرنا نہیں چاہتی اچھا تھوڑے دنوں کے لئے اور لے جاؤ۔ آج کل ویسے بھی مکہ کی آب و ہوا خراب ہو رہی ہے میں نہیں چاہتی کہ بچہ اس وقت یہاں رہے۔''

حلیمہ کو ایسا معلوم ہوا جیسے ایک عظیم الشان خزانہ آمنہ نے اسے بخش دیا۔ اور وہ بڑی خوش خوش اپنے گاؤں کو لوٹ گئی۔

(۱۴) ننھے بہادر! سلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائی حلیمہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے جب پانچ برس کے ہوئے تو گاؤں کے دوسرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے جنگل میں جانے لگے صبح کو جاتے اور شام کو بکریاں لے کر واپس چلے آتے روز اسی طرح ہوتا۔

ایک دن حسب معمول گاؤں کے بچے جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے یکا یک ڈاکو آن پڑے۔ جن کی خوفناک شکلیں اور چمکدار تلواریں دیکھ کر سارے بچے بدحواسی کے ساتھ گاؤں کی طرف بھاگے صرف ایک بچہ ایسا تھا جو ذرا نہ ڈرا اور نہ بھاگا اور چپ چاپ اپنی جگہ کھڑا رہا۔

محمدؐ اسی بچے کا نام تھا۔

لٹیرے اور ڈاکو ایک چھوٹے بچے کی موجودگی کا کیا خیال کرتے؟ انہوں نے بکریاں اکھٹی کیں اور چلنے لگے۔

معاً ننھا بچہ آگے بڑھا اور ڈاکوؤں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ”یہ بکریاں گاؤں والوں نے ہمارے ساتھ جنگل میں بھیجی تھیں اگر تم لوگ ان کو لے جانا چاہتے ہو تو پہلے چل کر گاؤں والوں سے پوچھ لو۔ پھر لے جانا۔“

ڈاکوؤں کو ننھے بچے کی ان بھولی باتوں پر بے اختیار ہنسی آ گئی۔

انہوں نے بچے کو کچھ نہ کہا۔ اور بکریاں لے کر چلنے لگے۔

جب بچے نے دیکھا کہ ڈاکوؤں نے میری بات نہیں مانی اور بکریاں لئے جا رہے ہیں تو ننھا معصوم پھرتی کے ساتھ آگے بڑھا اور بکریوں کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکوؤں نے کمسن بچے کی اس جرأت کو تعجب کے ساتھ دیکھا اور کہا ہٹ جا اور ہمیں بکریں لے جانے دے۔

”نہیں کبھی نہیں۔ مجھے مار ڈالو اور بکریاں لے جاؤ، جب تک میں زندہ ہوں بکریاں یہاں سے نہیں جائیں گی۔“ بچے کا جواب تھا

ڈاکو حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اتنا چھوٹا سا کمزور بچہ اور اتنا دلیر!

نہایت تعجب کے ساتھ قزاقوں کا سردار آگے بڑھا بچے کو پیار کیا اور شفقت کے ساتھ پوچھا ”میاں تم کس کے لڑکے ہو؟ بچے نے جواب دیا کہ عبدالمطلب کا!

سارے عرب میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جو عبدالمطلب کے نام سے واقف نہ ہو۔ سنتے ہی ڈاکو بولا ”بے شک سردار قریش کے لڑکے کو ایسا ہی بہادر ہونا چاہئے۔

ننھے بہادر! میں تمہاری دلیری کی قدر کرتا ہوں اور محض تمہارے لئے بکریوں کو چھوڑتا ہوں تمہاری پیشانی کا نور کہہ رہا ہے جب تم بڑے ہو گے تو نہ صرف بنو ہاشم بلکہ سارا عرب تمہاری ذات پر فخر کرے گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟“

"محمدؐ"

محمدؐ، محمدؐ کیسا عجیب اور کتنا پیارا نام ہے! ڈاکو نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا ننھے بہادر سلام" یہ کہتے ہوئے ڈاکو رخصت ہو گئے۔

(۱۵) فرشتوں کا نزول

اس قصہ کے تھوڑے دنوں بعد ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔

معمول کے موافق ایک روز ننھا محمدؐ گاؤں کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل میں گیا ہوا تھا کہ ناگاہ دو آدمی سفید براق لباس پہنے آئے ان کی صورتیں بڑی نورانی اور دلکش تھیں۔

آتے ہی دونوں آدمیوں نے دوسرے لڑکوں کو تو کچھ نہ کہا مگر ننھے محمدؐ کو پکڑ لیا۔ اور اسے زمین پر لٹا کر ایک تیز خنجر سے اس کا سینہ چاک کیا اور اس دل میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دی۔ بعد ازاں دل کو باہر نکال کر ایک طشت میں رکھ دیا اور نہایت شفاف پانی سے اسے دھویا دھوتے دھوتے جب دل موتی کی طرح چمکنے لگا تو اسے سینے کے اندر رکھ کر جوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

گاؤں کے بچوں اور حلیمہ کے لڑکے عبداللہ نے جو یہ واقعہ دیکھا تو مارے خوف کے ان کا برا حال ہوا ہانپتے کانپتے گاؤں میں پہنچے اور حلیمہ سے جا کر کہا کہ بڑا غضب ہو گیا۔ جنگل میں ہم اپنے قریشی بھائی محمدؐ کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ یک دفعہ ہی پہاڑ کے ایک درے میں سے دو نہایت خوبصورت آدمی ہماری طرف آئے ہم نے ان کی خوشنما داڑھیوں،

پاکیزہ شکل وصورت اور لمبے لمبے چوغوں سے ان کو بہت بزرگ اور نیک آدمی سمجھا مگر آہ وہ نہایت ظالم اور قصائی ثابت ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی ہماری قریشی بھائی کو پکڑ لیا اور ایک لمبے چھرے سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا ہم اتنا دیکھتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہیں ہم کو بھی پکڑ کر ذبح نہ کر ڈالیں۔ نہ معلوم ہمارے آنے کے بعد کیا معاملہ ہوا؟

یہ روح فرسا خبر سن کر حلیمہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور اس کی پریشانی کی حد نہ رہی۔ اس وقت اس کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

افتاں وخیزاں میدان میں پہنچی، وہاں دیکھا تو اس کا ننھا محمدؐ اکیلا کھڑا تھا۔

حلیمہ نے دوڑ کر معصوم کو چھاتی سے لگایا۔ پیشانی چومی اور کہنے لگی میرے پیارے بیٹے کیا بات ہوئی؟ بچے نے جو گزرا تھا حلیمہ کو سنا دیا۔

حلیمہ نے سوچا کہ نہ کہیں خون گرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ نہ پانی پڑا ہوا کہیں نظر آتا ہے نہ کہیں آدمیوں کے قدموں کے نشانات زمین پر معلوم ہوتے ہیں نہ جو چیز انہوں نے باہر نکال پھینکی تھی وہ موجود ہے نہ سینے پر کوئی زخم یا نشان ہے ہو نہ ہو کسی جن بھوت کا سایہ بچے پر ہو گیا ہے۔ اگر کوئی واقعہ ہو گیا تو میں اس کی ماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔

اس کے بعد حلیمہ ننھے بچے کو اپنے ساتھ گھر لے آئی اور اپنے شوہر سے کہا میرا تو اس وقت کلیجہ دہل رہا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا

ہوا۔ لیکن بظاہر مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔ مناسب یہی ہے کہ بچے کو فوراً اس کی والدہ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اس کی جدائی بے شک ہم پر شاق گزرے گی لیکن اگر بچہ ضائع ہو گیا تو کیا ہو گا۔

شوہر نے کہا ”ہاں مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے آج ہی اسے لے جا کر اس کی ماں کے سپرد کر آؤ۔“

حلیمہ نے بچے کو ساتھ لیا اور مکہ لا کر ان کی والدہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت آمنہ نے واقعہ پوچھا تو حلیمہ نے کہا ”مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچے پر کسی جن کا اثر ہو گیا ہے۔“

حضرت آمنہ مسکرائیں اور فرمانے لگیں ”ایسا خیال نہ کرو میرا بچہ ہرگز ضائع نہ ہو گا بلکہ بڑی شان والا انسان ثابت ہو گا۔ میں نے اس کی پیدائش سے پہلے بڑے عجیب عجیب خواب دیکھے ہیں۔“

تاریخ میں یہ واقعہ ”**شقِّ صدر**“ کے نام سے معروف ہے۔

(۱۶) ماں کی جدائی

اب ننھا معصوم اپنی ماں کے پاس رہنے لگا۔ شاید ہی کسی ماں کو اپنے بیٹے سے اتنی محبت ہوگی جتنی آمنہ کو اپنے یتیم بچے سے تھی۔ مگر مرحوم شوہر کی موت کا صدمہ بھی ایسا نہ تھا جو کسی وقت ان کے دل سے دور ہوتا ہو۔ جب بھی یتیم بچے پر نظر پڑتی۔ بے اختیار اُسکے والد یاد آجاتے اور طبیعت بے چین ہو جاتی۔

ایک دن جب شوہر کی یاد نے بہت ہی ستایا تو حضرت آمنہ نے ارادہ کیا کہ لاؤ مدینہ چل کر ان کی قبر کی زیارت ہی کر آؤں شاید اسی سے دل کو کچھ ڈھارس ہو

چنانچہ وہ اپنے لخت جگر کو ساتھ لے کر مدینہ گئیں اور وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ایک مہینے تک رہیں۔ مدینہ کے قیام کے دوران ان کا یہ روزانہ کا معمول تھا کہ شوہر کی قبر پر جاتیں اور دیر تک وہاں بیٹھی رہتیں۔

ایک مہینے تک مدینہ میں رہنے کے بعد انہوں نے واپس آنا چاہا ان کو زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا ایک قافلہ مکہ آ رہا تھا اس کے ساتھ حضرت آمنہ بھی اپنے بیٹے کو لے کر روانہ ہو گئیں۔

مدینہ سے روانہ ہو کر جس وقت یہ قافلہ مقام ابواء پر پہنچا تو دفعۃً

آمنہ بیمار ہوئیں کہ ان کو اپنی زندگی کی آس نہ رہی۔ جب آمنہ کو محسوس ہوا کہ میرا آخری وقت آ لگا تو بڑی حسرت کے ساتھ انہوں نے اپنے لخت جگر کی طرف دیکھا۔

چھوٹا معصوم بچہ غم کی تصویر بنا سامنے کھڑا تھا ماں نے اشارے سے بلایا دوڑ کر چھاتی سے چمٹ گیا۔

ماں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

ذرا خیال تو کرو کس قدر درد انگیز نظارہ تھا ماں سینکڑوں امنگوں اور ہزاروں تمناؤں کو ساتھ لے کر دنیا سے جا رہی ہے نہ معلوم کیا کیا خیالات اس کے دل میں گزر رہے ہیں اپنے معصوم لال کو اس لق ودق صحرا میں بے یار و مددگار چھوڑے جانے کا صدمہ اس کی روح کو تڑپا رہا ہے یہ دیکھ کر اس ہولناک وادی میں چھ برس کی جان کس طرح زندہ رہے گی اور میرے بعد اس پر کیا بیتے گی۔ اس کا دل پاش پاش ہو رہا ہے مگر موت نہ کسی کی امنگوں کی پروا کرتی ہے نہ حسرتوں کی وہ بادشاہوں کو چھوڑتی ہے نہ فقیروں کو۔ نہ امیروں سے رعایت کرتی ہے نہ غریبوں سے۔

تھوڑی دیر بعد آمنہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئیں اور اپنے لال کو اکیلا جنگل میں چھوڑ گئیں۔ کتنا رقت خیز تھا یہ وقت کہ ماں کی نعش پر اس کا لاڈلا بچہ حیران پریشان کھڑا ہے آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں اور دل غم و رنج سے بھرا ہوا ہے اور وہ سوچ رہا ہے کہ یہ کیا ہو گیا؟ اور میں اب کہاں جاؤں؟

باپ پیدا ہونے سے پہلے ہی چلا گیا۔ ماں چھ سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئی۔ یہ تھا ہمارے آقاؐ کا بچپن!

قافلہ والوں نے غریب الوطن کو وہیں جنگل میں دفن کر دیا اور یتیم بچہ کو مکہ لا کر اس کے دادا کے حوالے کر دیا۔

(۱۷) دادا کا انتقال

عبدالمطلب کے اگرچہ گیارہ بارہ لڑکے تھے مگر انکو سب سے زیادہ محبت اپنے معصوم اور یتیم پوتے سے تھی۔ اپنے ساتھ کھلاتے، اپنے ساتھ سلاتے، ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ چونکہ قریش کے سردار اور نہایت باوقار بزرگ تھے۔ اس لئے کعبہ کے اندر قالین بچھا کر بیٹھتے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ قالین پر ان کے ساتھ بیٹھ سکے مگر ان کا یتیم پوتا قالین پر بلا تکلف دادا کے پاس جا بیٹھتا ایک آدھ مرتبہ کسی نے ٹوکا تو عبدالمطلب نے فرمایا "اسے کچھ نہ کہو۔ یہ تو میرے پاس ہی بیٹھے گا"۔

مگر افسوس! دادا کی الفت و شفقت کا زیادہ مزہ پوتے کو اٹھانا نصیب نہ ہوا۔ ابھی دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ ان کو پیغام اجل آ گیا۔

جب سردار قریش نے دیکھا کہ اب مرنے لگا ہوں تو ان کو یہ فکر ہوئی کہ میرے بعد اس معصوم بچے کا کیا بنے گا؟ جس کی عمر ابھی صرف آٹھ سال کی ہے۔ کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھائے گا؟ اور کس طرح بے چارگی کے عالم میں اپنی زندگی گزارے گا؟ اس لئے انہوں نے چاہا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اس کا سرپرست اور نگران مقرر کر دیں۔

انہوں نے اپنے سارے بیٹوں کو طلب کیا اور وہ سب آ کر بیمار

باپ کے سامنے بیٹھ گئے۔

اب عبدالمطلب اپنے پوتے سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے

"میرے پیارے بیٹے میں نے جہاں تک میرے امکان میں تھا تمہاری اچھی طرح پرورش کی اور ہر طرح تمہارے آرام کا خیال رکھا میری بڑی خواہش یہ ہے کہ تم دنیا میں نہایت مشہور انسان بنو۔ اور تمام جہاں تمہارے کارناموں کی تعریف کرے۔ جب تم پیدا ہوئے تھے تو میں نے اسی خیال سے تمہارا نام **محمدؐ** رکھا تھا میری تمنا تھی کہ میں اپنی زندگی میں تمہارا عروج دیکھ لیتا مگر افسوس! یہ خوشی میری تقدیر میں نہ تھی اب میں مرنے لگا ہوں اور اپنی اس آرزو کو اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں گا۔

تمہارے سارے چچا اس وقت تمہارے سامنے بیٹھے ہیں میرے بعد تم جس کے ہاں رہنا چاہو اس کے پاس چلے جاؤ آئندہ کے لئے وہی تمہارا نگران اور سرپرست ہوگا۔"

دادا کی یہ تقریر سن کر پوتے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر چارۂ کار کیا تھا رقت بھرے دل کے ساتھ سارے چچاؤں کو دیکھا اور پھر ابو طالب کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔

ابو طالب نے بڑی محبت کے ساتھ بھتیجے کو پیار کیا اور اپنی گود میں بٹھا لیا۔ عبدالمطلب نے دیکھا تو فرمانے لگے:۔

"ابو طالب! میں اپنی یہ زندہ نشانی تمہارے سپرد کرتا ہوں اس کو اپنے مرحوم بھائی کی یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھنا اور اس کی دلجوئی میں کسی

طرح کی کمی نہ کرنا۔ باپ کو اس نے نہیں دیکھا۔ ماں کی محبت کا مزہ اس نے زیادہ دن تک نہیں اٹھایا۔ غرض دنیا کی کوئی راحت اس نے نہیں پائی۔ پیہم صدمات سے اس کا دل شیشے سے بھی زیادہ نازک ہو گیا ہے دیکھنا کہیں اس شیشے کو ٹھیس نہ لگ جائے۔ تم میرے سامنے اقرار کرو کہ اپنے یتیم اور بے کس بھتیجے کی پوری حفاظت کرو گے۔ اور اس سے ہمیشہ نہایت محبت اور الفت سے پیش آؤ گے اور اپنے بیٹوں سے زیادہ اس کا خیال رکھو گے۔"

سعادتمند بیٹے نے نہایت ہی صدق دلی کے ساتھ اپنے بھتیجے کی حتی الامکان نگہداشت کا اقرار کیا۔

آنے والے زمانہ نے بتلا دیا کہ جو وعدہ حضرت ابو طالب نے اپنے والد سے کیا اُس سے بہت زیادہ کر کے دکھا دیا۔

ابو طالب! ہمارے سر تیری تعظیم و تکریم سے جھک جاتے ہیں کہ تو نے ہمارے آقا کی ایسی بے نظیر پرورش کی کہ اسے سے زیادہ خیال میں نہیں آتی۔

اس موقع پر یہ لطیفہ بیان کرنے کے قابل ہے کہ جب عبدالمطلب نے پوتے کی کفالت کے لئے اپنے بیٹوں کو جمع کیا تو سب سے زیادہ ابولہب کو اس بات کی خواہش تھی کہ یتیم بھتیجا میرے پاس رہے کیونکہ اس کو آپ سے بہت محبت تھی اور جب آپ پیدا ہوئے تو اس نے خوش ہو کر اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا جو بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری اس کے پاس لائی تھی۔ زمانہ کی نیرنگیاں بھی عجیب ہوتی ہیں اسی چچا کو جب بھتیجے نے اپنی نبوت کی خوش خبری

سنائی تو محبت کرنے والا چچا بدترین دشمن ہوا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

(۱۸) مقدس لڑکے کی پہلی دعا

اب یتیم بچہ اپنے چچا کے پاس رہنے لگا۔ چچا نے فی الحقیقت اپنے بچوں سے زیادہ اس کی دلجوئی کی، ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ جہاں تک ان سے بنتا اس کے آرام و راحت کا خیال رکھتے اور کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف نہ کرتے۔

بھتیجے کی عادتیں ایسی اعلیٰ درجہ کی اور اتنی پاکیزہ تھیں کہ ابو طالب دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے ان کو صرف بھتیجے سے محبت تھی بلکہ انکے دل میں ان کی بزرگی کا بھی سکہ بیٹھا ہوا تھا چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا کیونکہ بارش نہ ہوئی تھی اور ایک قطرہ بھی آسمان سے نہ برسا تھا مکہ والے نہایت پریشان ہوئے کہ کیا کریں ابو طالب نے اس موقع پر اپنے بھتیجے سے کہا کہ:۔

”میاں! لوگ پانی کے بغیر بے حد مضطرب ہیں تمہارا دل معصوم اور زبان پاک ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری زندگی بڑی عجیب زندگی ہے شہر والوں کو ساتھ لے جاؤ اور جنگل میں جا کر پانی کے لئے خدا سے دعا مانگو۔“

بھتیجے نے کہا ”چچا! میں کیا اور میری دعا کیا؟ یہ کام تو بڑے اور بزرگ آدمیوں کا ہے، میں تو ابھی بچہ ہی ہوں مگر آپ کے حکم کی تعمیل سے

مجھے انکار نہیں چلئے میں دعا مانگتا ہوں، کیا عجب کہ خدا مجھ کمزور کی دعا سن لے اور قحط دور ہو جائے۔

چنانچہ اہل مکہ کے سارے معزز اصحاب کے ہمراہ ہمارا ننھا آقا جنگل میں گیا اور سارے مجمع کے آگے کھڑے ہو کر اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ دعا کے لئے آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔

بادلوں کے فرشتے شاید اس بات کے منتظر ہی بیٹھے تھے دعا مانگتے ہی اتنی بارش ہوئی کہ قحط کی ساری تکلیف دور ہو گئی اور مکہ والوں کے سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔

قریش کو آج پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ ان میں بھی ایک مقدس لڑکا موجود ہے۔

یہ تھی اس مقدس لڑکے کی پہلی دعا!

❁

(۱۹) معصوم بچے کا ارادہ

ایک چھوٹا بچہ جس کی عمر مشکل سے نو دس برس کی ہو گی، ایک دوسرے لڑکے کے ساتھ مکہ سے باہر پہاڑی میدانوں میں بکریاں چرایا کرتا تھا شہر کی یہ حالت تھی کہ وہاں روزانہ مختلف گھروں میں قصہ خوانی کی مجلسیں اور شعر و سخن کی محفلیں نہایت زور و شور سے منعقد ہوتی تھیں۔ جن میں بزرگوں کی کہانیاں اور ان کی بہادری اور دلاوری اور شجاعت کی داستانیں بڑے رنگین الفاظ میں بیان کی جاتی تھیں اور شعر و سخن کی داد دی جاتی تھی۔

لوگ ذوق و شوق کے ساتھ ان محفلوں میں شریک ہوتے تھے اور سارا وقت شراب خوری، عیش و عشرت اور ہاؤ ہو میں گزار دیتے تھے۔

چھوٹے بچے کو یہ سب کچھ معلوم تھا مگر وہ ابھی تک ان میں سے کسی محفل میں شریک نہیں ہوا تھا۔

لیکن آخر وہ بچہ تھا اور انسان کا بچہ تھا۔ اس کے زمانہ کے سارے لوگ اسی آب و ہوا میں پرورش پا کر جوان ہوئے تھے ہر ایک پر یہی نشہ سوار تھا پھر خود اس کے پہلو میں بھی دل تھا جس میں بچپن کے جذبات شوق اور امنگیں مچل رہی تھیں۔

چھوٹے بچے نے سوچا کہ لاؤ کیوں نہ میں بھی تھوڑی دیر کے لئے

کسی ایسی محفل کا لطف اٹھاؤں؟ ذرا دیکھ تو آؤں ان مجلسوں میں ہوتا کیا ہے؟

یہ سوچ کر چھوٹے بچے نے اپنے ساتھی سے کہا:

دوست! میرا دل آج شہر کی مجلس دیکھنے کو چاہ رہا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ان بکریوں کا کیا کروں جو چرانے کے لئے میرے سپرد کی گئی ہیں میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے کہ اگر تم میری بکریوں کی حفاظت کا وعدہ کرو تو میں ذرا کی ذرا شہر جا کر ان مجالس کا لطف اٹھا آؤں اس کے بدلے کل تم شہر ہو آنا میں تمہاری بکریوں کی حفاظت کروں گا۔

ساتھی نے یہ بات مان لی اور چھوٹا بچہ شہر سیر تماشے میں شریک ہونے کے لئے خوشی خوشی روانہ ہو گیا مگر ابھی شہر میں داخل نہیں ہوا تھا کہ شہر کے کنارے پر اسے ایک مکان میں کچھ آدمی جمع نظر آئے۔

بچہ نے کسی سے پوچھا کہ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

لوگوں نے کہا "ایک شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں"

چھوٹا بچہ بغیر کسی خیال کے گھر کے اندر چلا گیا وہاں فرش بچھا ہوا تھا اور لوگ دلہا کے آنے کے منتظر بیٹھے تھے۔

بچہ بھی فرش پر بیٹھ گیا۔

اس کے بیٹھتے ہی خدا نے ہواؤں کے فرشتے کو حکم دیا کہ ایسی ہلکی اور ٹھنڈی ہوا چلاؤ کہ بچے کو نیند آ جائے۔ حکم کی تعمیل میں فوراً ہوا چلنے لگی اور بچہ فرش پر لیٹ کر سو گیا۔

جب اسکی آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی اور سورج سامنے کی پہاڑی

میں غروب ہو رہا تھا۔ بچہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور بکریوں کی فکر میں جلدی جلدی جنگل کو چلا گیا۔ تجربہ نا کامیاب ہوا۔

بچے نے سوچا آج تو نیند آ گئی اور کسی محفل میں شریک نہ ہو سکا اچھا پھر کسی روز سہی۔ ایک اور دن جب کہ موسم بہت خوشگوار تھا چھوٹے بچے نے بکریاں اپنے ساتھی کو سونپیں اور خود شہر کو چل دیا مگر اس روز بھی پتہ ایسا ہی اتفاق پیش آیا اور چھوٹا بچہ کسی محفل میں شریک نہ ہو سکا اس کے بعد اس لڑکے کو اس قسم کی محفلوں سے کچھ نفرت سی ہو گئی اور اس نے پھر کبھی ان میں شمولیت کا ارادہ نہیں کیا۔

جانتے ہو یہ چھوٹا بچہ کون تھا؟ یہ تھا میرا پیارا آقا محمد مصطفیٰ ﷺ

(۲۰) بچے کا پہلا سفر

قریش کی ساری قوم تجارت پیشہ تھی۔ ہر سال ان کے تجارتی قافلے شام، عراق، فلسطین اور مصر تک جایا کرتے تھے۔ اور دوسری طرف ہندوستان سے لے کر چین تک کے ممالک سے ان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ جو چیزیں دوسرے ملکوں میں ہوتیں وہ خرید لاتے جو اپنی چیزیں لے جاتے، وہ دوسرے ملکوں میں بیچ آتے۔

تجارت میں قریش کو ایک بڑی آسانی یہ تھی۔ کہ اگرچہ عرب میں اس وقت عام طور سے لوٹ مار کی گرم بازاری تھی افراد چھوڑ قافلے تک بھی ڈاکوؤں، رہزنوں، اور لٹیروں سے امن میں نہ تھے۔ جو بھی ہتھے چڑھ جاتا اسے لوٹ لیتے۔ جو مقابلہ سے پیش آتا۔ فوراً اس کا صفایا کر کے رکھ دیتے ان کو نہ لوٹ مار سے کچھ شرم تھی نہ قتل وغارت سے کچھ عار۔ غرض

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

مگر قریش چونکہ کعبہ کے متولی تھے اور کعبہ کی تعظیم عرب کا ہر شخص کرتا تھا۔ اسلئے قریش کا سارے عرب کے لوگوں میں خاص ادب تھا اور اسی احترام کا نتیجہ تھا کہ قریش کے تجارتی قافلے صحراؤں کو عبور کرتے۔ جنگلوں میں سفر کرتے وادیوں میں پھرتے اور بیابانوں میں سے گزرتے تھے مگر انہیں کوئی

کچھ نہ کہتا تھا وہ امن اور اطمینان کے ساتھ مال تجارت سے لدے پھندے بیرونی ملکوں میں جاتے اور وہاں سے مال لا کر مکہ میں آتے خیریت سے جاتے اور خیریت سے چلے آتے تھے۔

اس مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ کے پر آشوب زمانہ میں یہ امن ہزار غنیمت تھا۔

ابو طالب بھی اسی قوم کے ایک معزز فرد تھے اور اکثر تجارت کے لئے قافلے کے ساتھ شام جایا کرتے تھے۔

اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کو شام کا تجارتی سفر پیش آیا تو اس وقت ان کے بھتیجے کی عمر دس برس کی تھی۔

ابو طالب کو اگرچہ بھتیجے سے کمال درجے کی محبت تھی اور وہ ان کو اپنے جدا کرنا نہیں چاہتے تھے مگر راستہ دشوار اور منزل کٹھن تھی۔ اور بھتیجے کی ذرا سی تکلیف بھی چچا کو گوارا نہ تھی اس لئے انہوں نے چاہا کہ بھتیجے کو گھر پر ہی چھوڑ جائیں اور اس کے دوسرے چچاؤں کو اس کی حفاظت اور خبر گیری کی تاکید کر جائیں۔ چنانچہ سفر کی تیاریاں ہوتی رہیں سامان بندھتا رہا اور یہ سب کچھ ننھے بچے کے سامنے ہوتا رہا مگر وہ کچھ نہ بولا اور چپ رہا۔

جب روانگی کا وقت آیا اور ابو طالب اونٹ پر چڑھ کر جانے لگے تو بھتیجے نے آگے بڑھ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور بڑے ہی درد بھرے لہجے میں کہا:

"چچا! آپ تو جا رہے ہیں مگر مجھے کس پر چھوڑ چلے؟"

یہ کہتے کہتے بچے کے آنسو نکل آئے۔

یہ الفاظ نہیں تیر تھے جو بھتیجے کے منہ سے نکلے اور چچا کے دل میں پیوست ہو گئے۔

ابو طالب کا جی بھتیجے کی بے کسی پر کٹ گیا۔ فوراً اونٹ کو بٹھایا اور اتر کر بھتیجے کو چھاتی سے لگا لیا۔ پیار کیا۔ فرمانے لگے "نہیں بیٹا! رو مت۔ میں تجھے رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا۔" "چل میرے ساتھ ہی چل"۔

یہ کہہ کر بھتیجے کو اونٹ پر اپنے آگے بٹھا لیا اور شام روانہ ہو گئے۔

یہ تھا میرے آقا کا پہلا سفر!

(۲۱) جہالت کا کرشمہ

عرب کے لوگوں کی فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ ہر وقت دنگا فساد، مار کٹائی، اور قتل و غارت میں مشغول رہتے تھے۔ ذرا سی بات پر فوراً تلواریں کھینچ لیتے۔ اور جدال و قتال کے لئے آستینیں چڑھا لیتے تھے۔ ان کی عجیب و غریب جہالت کا ایک دلچسپ واقعہ سنو اور ان کی حماقت پر ہنسو:۔

مکہ سے تین دن کے راستے پر مقام عکاظ میں ہر سال ایک مشہور میلہ لگا کرتا تھا جس میں سارے ملک سے لوگ جمع ہوتے۔ لین دین اور خرید و فروخت بھی خوب ہوتی۔ اور بڑے بڑے خطیب، بڑے بڑے شاعر، بڑے بڑے ادیب بھی اپنے کمالات کا اظہار کرتے۔ نہایت پر زور قصائد پڑھے جاتے اور زبردستِ علمی مقابلے ہوتے تھے۔ پھر بڑے بڑے نقاد فیصلہ کرنے بیٹھتے۔

اور جس شاعر کا قصیدہ سب سے اعلیٰ اور بہتر قرار پاتا اسے لکھ کر بڑے فخر سے کعبہ میں لٹکا دیا جاتا۔ ایسے ایسے سات قصیدے کعبہ میں آویزاں تھے جنہیں سبعة معلقة کہتے ہیں۔

اسی عکاظ میں حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر اپنا مال فروخت کرنے کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ لیکن اسے یہ مال بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجنا پڑتا تھا۔ کیونکہ راہ میں لٹنے کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا۔

ایک سال جب اس نے عکاظ میں مال بھیجنا چاہا تو دربار میں بیٹھ کر کہنے لگا

''میرے مال کی حفاظت کا ذمہ کون شخص لیتا ہے؟''

اس وقت اس کے دربار میں بنی کنانہ کا ایک آدمی براض بن قیس موجود تھا۔ یہ شخص بڑا فسادی، عیار، چالاک اور مکار واقع ہوا تھا۔

بادشاہ کے پوچھنے پر کھڑا ہو کر کہنے لگا ''حضور! بنی کنانہ کی طرف سے تو میں اس مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔''

نعمان نے کہا ''مجھے بنو کنانہ اور بنی قیس دونوں سے خطرہ ہے کیا کوئی ایسا شخص میرے دربار میں موجود ہے جو دونوں قبیلوں سے میرے مال کی حفاظت کا ذمہ لے؟''

فوراً ایک سردار عروہ بن عتبہ کھڑا ہو گیا یہ بنی قیس سے تھا ''میں دونوں قبیلوں سے آپ کے مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں''۔

اس پر طیش میں بھر کر براض نے کہا ''کیا بنی کنانہ کا بھی تو ذمہ لیتا ہے؟''

عروہ بولا ''او کتے! بکواس نہ کر میں نہ صرف دونوں قبیلوں سے بلکہ تمام جہان کے آدمیوں سے اس مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں''۔

مارے غصہ کے براض دیوانہ ہو گیا مگر اس نے بادشاہ کے حضور میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش ہو گیا۔ چونکہ عروہ نے مال تجارت کا ذمہ لیا تھا۔ اس لئے نعمان نے مال اس کے حوالے کیا اور وہ اپنے آدمیوں

کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا۔

براض بھی اس کے پیچھے دربار سے نکلا اور اس تاک میں رہا کہ موقعہ لگے تو عروہ کا قصہ پاک کر دوں۔

دونوں کا سفر ساتھ ساتھ جاری رہا۔

خیبر کے قریب پہنچ کر وادی تیمن کی تنہائی میں براض نے فال دیکھی کہ عروہ کو قتل کر ڈالنا چاہئے یا نہیں؟

وہ فال دیکھ ہی رہا تھا کہ اتفاقاً عروہ بھی آدھمکا اور پوچھنے لگا کہ ''کیا کر رہے ہو؟''

براض نے جواب دیا ''فال دیکھ رہا ہوں کہ تجھے اس دنیا سے چلتا کر دوں یا نہیں بول تیری کیا مرضی ہے فال دیکھوں یا نہیں؟''

عروہ نے بے پروائی کے ساتھ ہنس کر کہا ''بھلا تیری مجال ہے کہ میری طرف ٹیڑھی نگاہ سے بھی دیکھ سکے؟''

اس پر براض نے ادھر ادھر دیکھ کر تلوار نکالی اور بڑی پھرتی کے ساتھ عروہ کے پیٹ میں گھونپ دی۔ فوراً ہی اس قتل کی خبر مقتول کے آدمیوں کو ہو گئی وہ قاتل کے پیچھے دوڑے مگر براض خیبر کی طرف فرار ہو چکا تھا

اب دو آدمی اسد بن جوین اور مساور بن مالک اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ کہ جہاں پائیں اسے عروہ کے قصاص میں قتل کر دیں مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ دونوں آدمی براض کی شکل سے ناآشنا تھے لیکن انہوں نے

خیال کیا کہ آخر وہ خیبر ہی گیا ہے،ہم خیبر چل کر اس کا پتہ نشان پوچھ لیں گے اور پھر موقعہ پر پہنچ کر اسے مار ڈالیں گے۔

جب یہ دونوں خیبر پہنچے تو اتفاقا جو آدمی سب سے پہلے ان کو ملا وہ کم بخت براض ہی تھا۔انہوں نے براض سے پوچھا ''میاں کیا تمہیں براض کا بھی پتا ہے؟ وہ آج کل میں یہاں آیا ہے۔

براض نے کہا ''ہاں کیوں نہیں پتا تو ہے لیکن تم کو اس سے کیا کام ہے''۔

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آدمی بے وقوف بھی پرلے درجے کے تھے۔جھٹ کہنے لگے ہمارے سردار کو مار آیا ہے لہذا ہم اسے مارنے آئے ہیں۔

اب تو براض چوکنا ہوا۔مگر اس نے اپنی گھبراہٹ کو دبا کر بظاہر نہایت اطمینان سے جواب دیا ''بے شک براض خبیث ہے ہی اس قابل کہ ایک ہی وار میں جہنم واصل کر دیا جائے۔کم بخت سے ایک زمانہ نالاں ہے آپ دونوں میرے ساتھ چلیں۔اور میرے ہاں قیام فرمائیں میں آپ کو خود وہاں تک لے چلوں گا جہاں براض رہتا ہے اور اس کے قتل میں آپ کی امداد کروں گا''

آنے والے حادثہ سے بے خبر۔دونوں براض کے ساتھ ہو لیے اور دل میں خوش تھے کہ بڑی آسانی سے کام بن گیا۔

براض اُن کو اپنے گھر لے گیا۔اور اُن کے قیام وطعام کا انتظام

کیا۔اُنکے اونٹوں کو بھی علیحدہ باندھ کر چارہ وغیرہ دے دیا۔غرض اُن کی خوب آؤ بھگت کی۔

ایک دن تو خاطر تواضع میں گزرا دوسرے دن کہنے لگا تم دونوں میں سے جو نسبتا زیادہ بہادر ہو اور جس کی تلوار بھی خوب تیز ہو وہ میرے ساتھ چلے تا کہ میں اسے براض کا پتہ بتا دوں اور اسے وہاں لے چلوں۔جہاں وہ بد بخت چھپا ہوا ہے۔

اس پر مساور بولا کہ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں یہ اسد یہیں رہے گا۔اور اونٹوں کی رکھوالی کرتا رہے گا۔

مساور کو ساتھ لے کر براض شہر سے نکلا اور کھنڈروں سے ہوتا ہوا ایک مقام پر پہنچ کر رک گیا۔اور مساور سے کہنے لگا اس سامنے والے کھنڈر میں براض رہتا ہے تم یہاں ٹھہرو میں دیکھ آؤں کہ موجود ہے یا نہیں۔

اس کے بعد مساور کو اکیلا چھوڑ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر میں واپس آ کر کہنے لگا کہ ہاں وہ موجود ہے اور اس وقت خوش قسمتی سے اس کے قتل کا بہت عمدہ موقعہ ہے کیونکہ وہ بے خبر پڑا سو رہا ہے ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا ہو سکتا ہے ذرا مجھے اپنے تلوار دکھا دو؟ تا کہ میں دیکھ لوں کہ وہ کیسی کاٹ کرتی ہے؟

نادان اور بھولے بھالے مساور نے تلوار براض کے ہاتھ میں دے دی تلوار لیتے ہی براض نے جھپٹ کر مساور پر وار کیا اور جس طرح بلی اچانک کبوتر پر آ پڑتی ہے اسی طرح مساور پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہوکر اس نے مساور کی لاش اور اس کی تلوار کوتو وہیں پتھروں میں چھپادیا اور خود اس کے دوسرے ساتھی اسد کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا ”میں نے تیرے ساتھی سے زیادہ ڈرپوک اور بزدل آدمی اس وقت تک کوئی نہیں دیکھا میں اسے براض کے گھر لے گیا وہ اس وقت سورہا تھا میں نے اس سے کہا دیکھتا کیا ہے تلوار کے ایک ہی وار میں اسے ہمیشہ کی نیند سلادے مگر اس سے کچھ بھی نہ ہوسکا اب میں تجھے لینے آیا ہوں چل تاکہ تینوں مل کر براض کا خاتمہ کردیں۔

اسد اس کے ساتھ ہولیا اور اس کا بھی وہی انجام ہوا جو اس کے ساتھی کا ہوچکا تھا۔

اس کام سے فارغ ہوکر براض اونٹوں کو لے کر مکہ معظّمہ روانہ ہو گیا۔

قریش اس وقت عکاظ کے میلے میں گئے ہوئے تھے راستہ ہی میں اس نے ایک آدمی کے ہاتھ قریش کو کہلا بھیجا کہ ”میں نے عروہ کو قتل کر ڈالا ہے۔ غالب گمان ہے کہ اس کا بدلہ بنی قیس تم سے لینا چاہیں گے۔ اس لئے ذرا ہوشیار رہنا۔

یہ پیغام براض نے قریش کو بدیں وجہ بھیجا تھا کہ براض کی قوم یعنی بنی کنانہ اور قریش ایک دوسرے کے عزیز اور دوست تھے اور عرب میں عام رواج تھا کہ دشمن کے دوست کو بھی اپنا دشمن سمجھتے اور اگر اصلی دشمن پر بس نہ چلتا تو دشمن کے دوست کی قوم پر حملہ کر کے جسے چاہتے مار ڈالتے۔

قریش کو جب براض کا یہ پیغام پہنچا تو وہ جلدی جلدی اپنے آدمیوں کو عکاظ میں سے سمیٹ کر مکہ کو روانہ ہوگئے لیکن اتنی دیر میں بنی قیس کو عروہ کے قتل کی خبر مل چکی تھی۔ وہ دوڑے کہ قریش میں سے جتنے آدمی مل سکیں فوراً عروہ کے قصاص میں قتل کر ڈالیں۔

مگر اتنے میں قریش بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ لے چکے تھے۔

جو شخص خانہ کعبہ میں چلا جاتا عرب اسے نہیں مارتے تھے۔ اس لئے بنی قیس الٹے لوٹ گئے۔ مگر یہ کہتے آئے کہ عروہ کا خون رائگاں نہیں جائے گا اگلے سال عکاظ کے میلے پر ہم سے لڑنے کے لئے تیار رہو۔ اب تو قریش کو مجبوراً جنگ کی تیاری کرنی پڑی چنانچہ دونوں طرف سے پورا سال جنگ کی تیاری میں گزر گیا۔ جب دوسرا سال شروع ہوا تو بنو قیس، بنو ہوازن کو ساتھ لے کر لڑنے کے لئے آموجود ہوئے۔

یہ ایسا تھا کہ عرب اس مہینے میں لڑائی بھڑائی بند رکھتے تھے۔ مگر بنی قیس نے پروانہ کی اور جنگ کے لیے کیل کانٹے سے لیس ہوکر آ گئے۔ قریش مجبوراً میدان میں نکلے۔ ہر فریق جوش و خروش سے بھرا ہوا تھا۔ بڑے بڑے سرداروں نے حلف اٹھائے کہ لڑ کر مارے جائیں گے۔ مگر قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد جنگ شروع ہوگئی۔ بڑی گھمسان کا رن پڑا۔ اور نعمان بن منذر کے دربار میں معمولی سی جھڑپ بڑا خطرناک رنگ لائی۔ اتنا کشت و خون ہوا کہ خدا کی پناہ۔

یہ لڑائی جاہلیت کی لڑائیوں میں بڑی خون ریز جنگ تھی تاریخ میں حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔

جب دونوں طرف کے بہادر لڑتے لڑتے تھک گئے۔ ہزاروں آدمیوں کا صفایا ہو چکا۔ تب بنی قیس کو اپنی ہار ماننی پڑی۔ وہ عروہ کے قصاص سے دست بردار ہوئے اور قریش کی فتح ہوئی۔ مگر صلح اس بات پر ہوئی کہ دونوں طرف کے جتنے آدمی قتل ہوئے ہیں۔ ان کو الگ الگ شمار کیا جائے۔ جس قبیلے نے دوسرے قبیلے کے زیادہ آدمی مارے ہوں۔ وہ زائد آدمیوں کا خون بہا ادا کرے۔ جب مردہ شماری ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریش نے بنو قیس کے بیس آدمی زیادہ قتل کیے ہیں۔ لہٰذا قریش کو بیس مقتولوں کا خون بہا ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد دونوں فریق ٹھنڈے ٹھنڈے گھر کر سدھارے۔

اس جنگ کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ابوطالب کا مقدس بھتیجا بھی قریش کے ساتھ تھا۔ اس وقت اس کی عمر چودہ یا پندرہ برس یا بعض روایات کے بموجب انیس بیس سال کی تھی مگر اس بات پر سب تذکرہ نویس متفق ہیں کہ مقدس لڑکے نے اپنے ہاتھ سے کسی شخص کو قتل نہیں کیا۔ نہ کسی پر تلوار اٹھائی صرف میدان جنگ میں اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا کر لا دیا کرتے تھے۔

یہ تھی پہلی جنگ جس میں ہمارے آقاؐ نے شرکت کی۔

(۲۲) نوجوان کا حلف

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب قوم کے لوگ ظلم و جبر اور قتل و غارت کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو پھر انہی میں سے بعض ایسے اشخاص پیدا ہو جاتے ہیں جو ظلم کو روکنا اور قتل و غارت کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ دنیا کو کچھ آرام و سکون میسر آئے۔

بالکل یہی حال عرب کا ہوا وہ لوگ جو صدیوں اس حال میں مبتلا رہے کہ دوسروں کا مال مار لیتے، کمزور کا حق دبا لیتے، اور قتل و غارت کر کے اپنا پیٹ بھر لیتے۔

جب یہ حالت انتہا کو پہنچ گئی تو پھر انہی میں سے بعض نیک دل اور شریف طبع لوگوں کو خیال آیا کہ یہ تو بڑا غضب ہے۔ پوری قوم تباہی اور بلاکت کے گڑھے میں جا رہی ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہو رہا ہے۔ قوی ضعیف کو کھائے جا رہا ہے اور کمزور طاقتور کے نیچے دبا ہوا ہے۔ آپس کی آئے دن کی خانہ جنگیوں اور لوٹ مار سے سینکڑوں گھرانے تباہ ہو گئے ہزاروں بچے یتیم ہو کے رہ گئے ہیں اس طرح تو ایک دن سارا ملک تباہ ہو جائے گا لاؤ کوئی ایسی تدبیر کریں کہ لوگوں کو اس ظلم اور زیادتی اور جبر اور سختی

کی زندگی سے امن ملے چنانچہ بعض ذی اثر اور با اقتدار سردار جن کے نام فضیل بن حارث، فضیل بن وداعہ، مفضل بن فضالہ، وغیرہ تھے ایک جگہ جمع ہوئے اور باہم ایک معاہدہ کیا جس میں اس بات پر حلف اٹھائے کہ آج سے ظلم اور زیادتی بند کی جائے جو شخص اپنے سے کمزور پر ظلم کرے اسے طاقت سے روک دیا جائے جو مظلوم ہو اس کی مدد کی جائے جس کا حق چھینا گیا ہو اس کا حق دلوایا جائے جو شخص لوگوں پر ظلم وستم کرتا ہو اسے مکہ سے نکال دیا جائے۔

چونکہ ان حلف اٹھانے والوں میں سے اکثر کا نام فضل پر تھا اس لئے اس واقعہ کا نام حلف الفضول رکھا گیا اور تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہے۔

چونکہ اس معاہدہ میں مکہ کے تمام بڑے بڑے سردار شریک تھے اور انہوں نے بڑے جوش کے ساتھ حلف اٹھائے تھے اس لیے شہر کے مظلوم اور بے کس اور کمزور لوگوں کو توقع ہوگئی کہ اب ہمیں زبردستوں کے چنگل سے نجات مل جائے گی۔

لیکن عرب کی حالت اتنی گندی اور اس قدر خراب ہو چکی تھی اور طبیعتیں اتنی پست اور ذہنیتیں ایسی مسخ ہو چکی تھیں کہ یہ معاہدہ پانی کا بلبلہ ثابت ہوا اور تھوڑے دنوں بعد نہ کسی کو معاہدہ یاد رہا نہ اپنے حلف کا خیال رہا سب کچھ طاقِ نسیاں پر رکھ دیا گیا، بات لوگوں کو بھول گئی اور مدتوں بھولی رہی۔

جب حرب فجار میں بہت سے لوگ لڑ کر کٹ مرے تو پھر باسی کڑھی میں ابال آیا اور قریش کے بعض معززین نے چاہا کہ حلف الفضول کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور نئے سرے سے مظلوم کی حمایت اور کمزور کی اعانت پر لوگوں سے حلف لئے جائیں۔

اس تجویز کو پیش کرنے والے زبیر بن عبدالمطلب تھے۔

مکہ میں عبداللہ بن جدعان اس وقت سب سے بوڑھا، سب سے زیادہ بزرگ اور سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا۔ اسی کے مکان پر قریش کا تاریخی اجتماع ہوا۔

جلسہ میں بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب، بنی اسد، بنی زہرہ، بنی تیم شریک تھے۔ بڑی پرجوش اور ولولہ انگیز تقریروں کے بعد سب حاضرین نے حلف اٹھایا کہ آئندہ ہم ظالم کو ظلم سے روکیں گے، حق دار کو اس کا حق دلائیں گے، اور مظلوم کی اعانت کریں گے۔

بڑے بوڑھوں اور قوم کے سرداروں کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بھی اس جلسہ میں موجود تھا اور اس نے بھی حلف اٹھایا۔

مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ یعنی جو حشر پہلے جلسہ کا ہوا تھا وہی اس کا بھی ہوا کچھ ہی دنوں کے بعد بڑے بوڑھے بھول گئے کہ ہم نے کیا وعدہ کیا اور کیا معاہدہ کیا تھا؟

لیکن اس نوجوان کو اپنا عہد خوب اچھی طرح یاد رہا اور اپنی ساری عمر اس نے اس وعدہ کو پورا کرنے میں وقف کر دی۔ جب تک زندہ رہا تن من

دھن سے مظلوموں کی اعانت اور بے کسوں کی ہمدردی کرتا رہا۔ جب دنیا سے سدھارا تو اپنے پیچھے ایسے ہزاروں جان نثار خادم چھوڑ گیا جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین مظلوم کی حمایت کو بنالیا۔ اور جب کبھی وقت پڑا یا موقعہ پیش آیا تو معمولی گنوار انسان کے مقابلہ میں انہوں نے بادشاہوں کا بھی لحاظ نہیں کیا۔

یہی نوجوان ہمارا آقا تھا!

(۲۳) صادق اور امین

جوں جوں اس نوجوان کی عمر بڑھتی جاتی تھی دوں دوں اس کو نیکی اور پرہیزگاری میں ترقی ہوتی رہتی تھی۔ کبھی کسی نے اس لڑکے کو کوئی لغو کام کرتے نہیں دیکھا۔ نہ کبھی کسی نے اس کی زبان سے کوئی جھوٹ بات سنی۔ اس کا معاملہ ہمیشہ نہایت کھرا ہوتا اور جب وہ کسی سے کوئی سودا کرتا تو بڑی نرمی اور خوش اسلوبی سے کرتا۔ رفتہ رفتہ اس کی امانت اور دیانت اور سچائی کا شہرہ سارے مکہ میں ہو گیا اور سب لوگ خود بخود اس کو صادق اور امین کہہ کر پکارنے لگے۔ اس کی نیکی کی وجہ سے ہر شخص اس کی عزت کرتا اور بڑے بوڑھوں کے دلوں میں بھی اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔

بڑے ہو کر اس لڑکے نے تجارت کا شغل اختیار کیا جو اس کا آبائی پیشہ تھا مگر تجارت کے لئے اس کے پاس روپیہ نہ تھا اس لئے اس نے دوسرے لوگوں کی شراکت میں یہ کام شروع کیا اور مال تجارت لے کر شام بُصریٰ، بحرین، اور یمن وغیرہ کا سفر کرنے لگا۔

اس زمانہ میں جو جو آدمی اس نوجوان کے ساتھ تجارت میں شریک رہے ان کو کبھی کسی معاملہ میں اس سے ذرا بھی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ نہ کبھی کسی شریک کو اس نوجوان کی امانت اور دیانت پر شبہ ہوا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے جس کا نام عبداللہ تھا اس نوجوان سے کوئی تجارتی معاملہ کرنا چاہا۔ اس کے متعلق باہم گفتگو کرتے کرتے اسے کوئی کام یاد آیا کہنے لگا "آپ یہیں ٹھہریں میں ذرا ایک ضروری کام ہو آؤں تو پھر آپ سے باقی معاملہ طے کرلوں گا"۔

وہ آدمی چلا گیا اور جا کر بھول گیا کہ میں ایک نوجوان تاجر کو ٹھہرا کر آیا ہوں۔ اتفاق سے تین دن بعد اس کا ادھر سے گزر ہوا تو اس شریف انسان کو اس نے اسی جگہ پایا جہاں چھوڑ گیا تھا۔

اسے فوراً اپنا وعدہ یاد آیا۔ اور کہنے لگا "معاف کرنا آپ کو نہایت سخت تکلیف ہوئی۔ دراصل میں بالکل بھول گیا تھا۔"

اس پر نوجوان نے بڑی نرمی سے صرف اتنا فرمایا کہ میں یہاں تین دن سے تمہارا منتظر ہوں۔

صادق اور امین کے خطابات قوم نے میرے آقاؐ کو اس وقت دیئے تھے جب وہ جوان تھا۔ یہ دونوں خطاب

وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

کے دعوے کی روشن دلیل تھے قرآن کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قوم سے فرمایا کہ میں نے تم میں ایک لمبی عمر گزاری ہے کیا اس وقت میری پاکی، میری نیکی، میری سچائی، اور میری دیانت کے متعلق تم میں سے کسی کو کوئی شبہ ہوا؟ تو جب میں نے اپنی جوانی ایسی پاکیزگی اور سچائی کے ساتھ تمہارے اندر گزاری تو کیا

اب میں بوڑھا ہو کر خدا پر جھوٹ بولوں گا۔ کیا تم میں اتنی معمولی بات کے سمجھنے کی بھی عقل نہیں؟

اگر قوم آپ کو سچا اور راست باز نہ سمجھتی تو صادق کا خطاب کیوں دیتی؟ اور اگر آپ کو دیانت دار اور امانت میں کامل نہ جانتی تو امین کے نام سے کیوں پکارتی۔

❁

(۲۴) مالدار عورت

مکہ میں ایک نہایت عالی خاندان اور بڑی دولت مند عورت رہتی تھی اس کا نام خدیجہ تھا۔ تمام شہر میں اس اس کی بڑی عزت تھی اور عرب میں اسے سے زیادہ امیر کوئی اور نہ تھا۔

وہ بہت بڑی تاجرہ تھی اور اپنا مال لوگوں کو دے کر مصر، شام، اور یمن وغیرہ بھیجا کرتی تھی تا کہ وہ اسے ان ملکوں میں فروخت کر آئیں۔

خدیجہ نے جب تجارت میں نوجوان محمدؐ کی مہارت، معاملہ میں دیانت داری اور کاروبار میں خوش اسلوبی کی تعریف سنی تو ان کو بلایا اور کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ میرا مال لے کر تجارت کے لئے شام جائیں۔ مال کی فروخت پر جس قدر معاوضہ میں عام طور پر دوسروں کو دیا کرتی ہوں آپ کو اس سے دوگنا دوں گی۔ اور سفر میں آپ کی خدمت کے لئے اپنے ایک غلام کو بھی ساتھ بھیج دوں گی۔

ہمارے نوجوان تاجر نے اس بات کو منظور فرما لیا اور میسرہ نام ایک غلام کے ساتھ مال تجارت لے کر شام روانہ ہو گیا۔

جب محمد بُصریٰ پہنچے جو عرب کے شمال اور شام کے جنوب میں ایک شہر ہے تو سارا مال بہت جلدی وہیں فروخت ہو گیا اور فروخت بھی ہوا

بڑے نفع سے۔

اب آپ کو آگے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ لہٰذا وہیں سے واپس لوٹ آئے پائی پائی کا حساب خدیجہ کو سمجھایا اور اپنا معاوضہ لے کر گھر چلے آئے۔

میسرہ غلام سے خدیجہ نے پوچھا کہ ''کہو سفر میں کیسی گزری اور تیرے ساتھ ہاشمی نوجوان کا سلوک کیسا رہا؟''

غلام نے جواب دیا: ''میری مالکہ! یہ تو بڑا ہی عجیب و غریب انسان ثابت ہوا۔ اتنا خوش گفتار، ایسا با اخلاق، اس درجہ راستباز اور اس قدر دیانتدار نوجوان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میرے ساتھ اس کا سلوک بالکل بھائیوں جیسا رہا۔ بجائے اس کے کہ میں اس کی خدمت کرتا الٹا وہی میرے کام کر دیا کرتا تھا غرض آدمی کاہے کو ہے۔ بنا بنایا فرشتہ ہے۔

(۲۵) بیاہ

خدیجہ جتنی دولتمند اور امیر کبیر تھیں اتنی ہی عالی ظرف اور پاکیزہ تھیں۔اپنی نیکی اور پارسائی اور اپنے پاکیزہ اخلاق کے باعث سارے مکّہ میں طاھرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔

یہ بیوہ تھیں اور اس سے پہلے ان کے دو خاوندوں کا انتقال ہو چکا تھا اور انہوں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اب اور کوئی شادی نہیں کروں گی۔

خدیجہ کے اعلیٰ کیرکٹر۔اُن کے اخلاق فاضلہ۔اُن کی پسندیدہ عادات کے باعث مکّہ کے بڑے بڑے معزز سردار اُن سے نکاح کی درخواست کر چکے تھے مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا لیکن نوجوان مُحمدؐ کی لیاقت۔آپ کی شرافت اور آپ کے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر اپنے غلام میسرہ سے آپ کی تعریف سن کر انہوں نے خود آپ سے نکاح کی درخواست کی۔اور اس غرض کے لیے اپنی سب سے قابل اعتماد لونڈی کو جس کا نام نفیسہ تھا۔آپ کی خدمت میں بھیجا۔

نفیسہ باتوں باتوں میں آپ سے کہنے لگی میاں: جتنی عمر آپ کی ہے۔اِس عمر میں تو لوگ کئی کئی بچوں کے باپ ہو جاتے ہیں۔مگر اب تک آپ نے اپنی شادی بھی نہیں کرائی شادی کے متعلق آپ کا کیا ارادہ ہے؟

نوجوان نے جواب دیا: بات یہ ہے کے میں غریب آدمی ہوں۔اور میری آمدنی قلیل ہے۔ظاہر ہے کہ اس حالت میں کون مجھے اپنی بیٹی دے گا؟ اور پھر یہ بھی اگر میں نکاح کرلوں تو بیوی کے اخراجات کہاں سے پورے کروں گا؟ جبکہ میرے اکیلے کا خرچ مشکل سے پورا ہوتا ہے۔

نفیسہ نے کہا۔''واہ یہ بھی کوئی عذر ہے۔آپ کسی دولتمند عورت سے شادی کرلیں۔اُس کا آپ پر کوئی بار نہیں پڑے گا''۔

نوجوان ہاشمی ہنسا اور کہنے لگا۔یہ تم نے خوب کہی مجھ جیسے غریب آدمی کو کوئی امیر اپنی بیٹی کیوں دے گا؟ دنیا کا عام دستور ہے کہ امیر لوگ امیروں ہی کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دیا کرتے ہیں۔'' نفیسہ بولی۔اگر کوئی امیر عورت خود آپ سے شادی کرنا چاہے تو پھر؟''

نوجوان نے تعجب سے پوچھا''ایسی کون امیر عورت ہوگی جو مجھ جیسے غریب آدمی سے شادی کرنا چاہے گی؟'' نفیسہ نے جواب دیا''میری مالکہ خدیجہ آپ سے نکاح کی خواہشمند ہیں۔''

نوجوان نے تامل سے کہا۔میری اس معاملہ میں کیا رائے ہو سکتی ہے۔یہ بات تو میرے چچا سے پوچھنی چاہیے جن کے پاس میں رہتا ہوں اور جو میرے سرپرست ہیں۔

نفیسہ نے یہ سن کر کہا۔''جب تک خود آپ کی اپنی مرضی نہ ہو۔اُس وقت تک ابوطالب سے پوچھنا یا کہنا بیکار ہے۔''نوجوان نے کہا۔نہیں یہ بات نہیں۔اگر چچا کو یہ رشتہ منظور ہو تو پھر مجھے انکار نہیں ہوگا۔

نفیسہ کہنے لگی۔تو پھر آپ خود ہی اپنے چچا سے ان کی مرضی دریافت کرلیں۔میں پھر کسی وقت آ کر آپ سے اس کے متعلق پوچھ لوں گی۔

نفیسہ کے جانے کے بعد نوجوان بھتیجے نے اپنے چچا سے اس قصہ کا ذکر کیا۔تو وہ کہنے لگے کہ اگر خدیجہ کی خود خواہش ہے تو بے شک کرلو۔خدیجہ کوئی غیر نہیں۔رشتہ میں تمہاری چچیری بہن لگتی ہے۔ابو طالب کے علاوہ اپنے دوسرے چچاؤں سے بھی نوجوان نے صلاح لی۔سب کی یہی رائے ہوئی کہ رشتہ بہت مناسب اور نہایت اچھا ہے۔

شام کو نفیسہ پھر آئی اور پوچھنے لگی۔''کہیئے آپ نے اپنے چچا سے پوچھا تھا؟

نوجوان نے کہا۔''ہاں میں نے ان سے ذکر کیا تھا وہ راضی ہیں۔''

نفیسہ خوش ہو کر بولی۔''بڑا اچھا ہوا اب یہ مبارک تقریب جلد عمل میں آ جانی چاہیے کیونکہ نیک کام میں دیر مناسب نہیں۔''

نوجوان نے کہا۔''میں اس کا بھی اپنے چچا سے ذکر کروں گا۔جیسا کچھ وہ جواب دیں گے۔یا جب وہ کرنا چاہیں گے اس سے تمھیں مطلع کر دوں گا۔''

تھوڑے دنوں میں سارے معاملات طے ہو گئے مُحمدؐ اپنے چچاؤں اور اکابرینِ قریش کے ساتھ خدیجہ کے مکان میں تشریف لے گئے پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ابو طالب نے نکاح پڑھا۔اور دونوں کی شادی ہو

گئی۔

خدیجہ! تجھ پر ہزاروں سلام تو وہ خوش نصیب اور مقدس خاتون ہے جس کو میرے آقاؐ کی سب سے پہلی بیوی بننے کا شرف حاصل ہو۔

خدیجہ اور محمدؐ کی یہ شادی پاکیزگی اور طہارت کی بہترین مثال تھی۔کیونکہ نکاح کے وقت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال کی اور ان کے شوہر کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔خدیجہ نے یہ خیال نہ کیا کہ میں ایک غریب آدمی سے شادی کر کے قوم اور قبیلے میں اپنی سبکی کرا رہی ہوں۔انہوں نے صرف شوہر کے پاکیزہ اخلاق کو دیکھا۔دوسری طرف نوجوان محمدؐ نے اس امر کا لحاظ نہ کیا کہ میں جوان ہو کر قریباً بوڑھی عورت سے کیوں نکاح کروں؟ انہوں نے صرف بیوی کی شرافتِ نفس کو دیکھا۔دونوں کے حسن نیت کے نتیجہ میں یہ شادی انتہائی طور پر بابرکت ثابت ہوئی۔

(۲۶) جاں نثار بیوی

نکاح کے وقت خدیجہ کے نزدیک اُن کے شوہر ایک عام نیک اور صالح انسان تھے اور چونکہ خدیجہ خود نہایت شریف الطبع اور نیک طینت اور عفیفہ خاتون تھیں اس لئے انہوں نے اپنے شوہر کو امراء کے طبقے سے منتخب نہیں کیا۔ جو بالعموم سینکڑوں عیوب کا مجموعہ اور ہزاروں برائیوں کا مخزن ہوتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ایسے انسان کو اپنے لیے پسند کیا۔ جس کے پاس درہم ودینار کی فراوانی نہ تھی۔ مگر نیکی اور پرہیز گاری کی دولت سے مالا مال تھا۔ جس کی دیانتداری اور معاملہ فہمی کا ان کو خود ذاتی طور پر تجربہ ہو چکا تھا۔ مگر یہ سب نوجوان شوہر کے اخلاق فاضلہ کا صرف بیرونی حصّہ تھا۔ جو باطنی فضائل ومحامد اس کی ذات میں پنہاں تھے۔ ان کا خدیجہ کو پتہ نہ تھا۔

اب جبکہ ایک جگہ اور ایک ساتھ رہنا ہوا تو خدیجہ کو کچھ کچھ علم ہوا کہ اس کا محترم اور مقدس شوہر کیسی عجیب وغریب شخصیت اور کیسے عدیم المثال اخلاق کا مالک ہے۔ خدیجہ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی عرب کے تاریک ذرّات سے بھی ایسا ماہِ کامل اُٹھ سکتا ہے جس کی روشنی وقت آئے گا کہ تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔

خدیجہ کی خوش قسمتی کی قسم کھانی چاہیے جسے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے

فضل سے چھپڑ پھاڑ کر یہ بیش بہا دولت دی۔ شادی کے بعد جب خدیجہ پر اپنے شوہر کے باطنی کمالات ظاہر ہوئے تو انہیں تجربہ ہوا کہ دنیا میں کوئی بھی انسان ایسے اعلیٰ اور ایسے بے نظیر اخلاق کا مالک نہیں جیسے میرے شوہر محمدؐ ہیں۔

یہ معلوم کرنے کے بعد خدیجہ محسوس کرتی تھیں کہ میں دنیا میں سب سے خوش قسمت عورت ہوں۔ اور وہ واقعی ایسی ہی تھیں۔

آپ کی سیرت و عادات کو بہت قریب سے دیکھ کر خدیجہ اپنے نہایت واجب التعظیم شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری میں کھو گئیں۔ اور انہوں نے ایسا شاندار اور پاکیزہ نمونہ اپنی محبت والفت کا دکھایا جو دنیا بھر کی نیک خواتین کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ خدیجہ حق الیقین کے ساتھ اس واقعی حقیقت تک پہنچ گئیں کہ کندن میں کچھ شاید کھوٹ ہو۔ مگر میرے پیارے شوہر میں کچھ عیب نہیں۔ وہ گناہ اور معاصی سے اتنا ہی دور ہیں جیسے مشرق سے مغرب۔

خدیجہ تمام مکّہ میں سے زیادہ مالدار عورت تھیں۔ شادی کے بعد جب ان کو خوب اچھی طرح اپنے شوہر کی خوبیوں کا اندازہ ہو گیا تو انہوں نے اپنا سارا مال ومنال اور اپنا تمام روپیہ پیسہ نکال کر اپنے رفیق حیات کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کی یہ سب کچھ آپ کے حوالے ہے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

اگر نوجوان محمدؐ عیش وعشرت کے دلدادہ ہوتے۔ یا مال ودولت

(۲۷) چادر کے کونے

ایک سال مکہ میں سیلاب آیا جس نے خانہ کعبہ کی دیواروں کو بہت نقصان پہنچایا اور وہ گرنے کے قریب ہو گئیں۔

چونکہ قریش کعبہ کو بہت مقدس سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے ارادہ کیا کہ اسے ڈھا کر دوبارہ مضبوط طریقہ سے بنائیں۔ مگر ساتھ ہی ان کو یہ بھی اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس کے ڈھانے کی وجہ سے ہم پر کوئی مصیبت آ جائے۔ اس لیے کسی کو اس کے ڈھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

ولید بن مغیرہ (حضرت خالد سیف اللہ کا باپ) قریش کا ایک معزز سردار تھا۔ مگر بہت بوڑھا پھونس ہو کر مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ قبر میں پاؤں لٹکائے تو بیٹھا ہی ہوں۔ لاؤ میں ہی کعبہ کو ڈھانا شروع کر دوں۔ اگر مر گیا تو کل نہ مرا آج ہی مر جاؤں گا۔ فرق کیا پڑے گا لیکن اگر بچ گیا تو قوم سمجھ لے گی کہ اس کے ڈھانے کی وجہ سے کوئی عذاب نہیں آ سکتا۔ یہ سوچ کر اس نے کدال اٹھائی اور کعبہ کو ڈھانا شروع کر دیا شام تک ڈھاتا رہا اور قوم دیکھتی رہی۔

اس رات مکہ کے سارے باشندے جاگتے رہے اور منتظر رہے کہ اب ولید پر اس گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے خدا کا غضب نازل ہوتا ہے مگر

جب صبح کو دیکھا تو بوڑھا ولید خاصا بھلا چنگا صحن کعبہ میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

تجربہ کامیاب رہا اور قریش کعبہ کو ڈھانے لگے جب سارا ڈھا چکے تو دوبارہ تعمیر شروع ہوئی۔

قریش کے ہر قبیلے نے اس نیک کام میں حصہ لینے کو اپنی سعادت سمجھا اور بجائے عماروں کے قوم کے بڑے بڑے معزز سردار پتھر ڈھونے اور عمارت بنانے میں مصروف ہو گئے۔

معززین قوم کے ساتھ وہ ہاشمی نوجوان بھی شریک تعمیر تھا جسے آگے چل کر افضل الرسل خیر البشر اور خاتم النبیین ہونا تھا۔

کام پورے اطمینان سے ہو رہا تھا اور قریش کے تمام معززین نہایت ذوق و شوق سے اس میں حصہ لے رہے تھے۔ کہ یکایک زور سے ایک ایٹم بم گرا قریب تھا کہ مکہ کی ساری آبادی اس کی لپیٹ میں آ کر ہلاک ہو جائے اور کعبہ کی دیواریں مُردوں کے خون سے رنگین ہو جائیں۔

ہوا یہ کہ ''حجر اسود'' ایک مقدس پتھر تھا جو دیوار کعبہ میں لگا ہوا تھا جب اسے اس کی اصلی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو ہر قوم کے سردار نے کہا کہ میں اس متبرک پتھر کو اس کی جگہ پر نصب کروں گا اور کسی کی مجال نہیں جو اس شرف کو مجھ سے چھین سکے۔

بس پھر کیا تھا کہ آن کی آن میں سارے مکہ میں آگ لگ گئی ہر قبیلہ شیر کی مانند بپھر گیا اینٹ، گارا اور پتھر پھینک کر لوگوں نے تلواریں سنبھال لیں۔ اور مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ پیالوں میں انسانی خون

بھرے گئے اور اس میں انگلیاں ڈبو کر قسمیں کھائی گئیں کہ یا اپنا حق لیں گے یا ہمارا بچہ بچہ کٹ مرے گا؟

کعبہ کی تاریخ میں ایسا ہولناک واقعہ کبھی پیش نہیں آیا تھا آج شہر کے ہر شخص کو چشم تصور سے مکہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہتی ہوئی اور ان میں انسانی لاشیں تیرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ایک تلوار ہوا میں بلند ہونے کی دیر تھی، ذرا سی دیر میں سارے مکہ کی صفائی ہو جاتی اور کوئی شخص بھی باقی نہ رہتا۔

اس نہایت خطرناک صورت حال کو دیکھ کر بعض بڑے بوڑھوں نے آپس میں صلح صفائی کرانے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی قبیلہ بھی اپنا حق چھوڑنے کو تیار نہ ہوا۔ میانوں میں تلواریں باہر نکلنے کے لئے تڑپ رہی تھیں اور ترکشوں میں تیر ایک دوسرے کا سینہ چھیدنے کے لئے بے چین تھے۔

یہ جھگڑا چار دن چلتا رہا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

چوتھے دن ایک معزز سردار ابو اُمَیّہ بن مُغیرہ نے بہت سوچ سمجھنے کے بعد سرداران قریش کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح نہایت سویرے جو شخص خانہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو وہ اس جھگڑے کا جو فیصلہ کردے سب لوگ اسے بلا چون و چرا قبول کرلیں۔

''منظور''۔ ''منظور''۔ ہر طرف سے آوازیں آئیں اور کل صبح کے انتظار میں ہر شخص نے بے چینی کی گھڑیاں گننی شروع کیں۔

صبح کو سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا اتفاق سے وہ

سردار قریش کا پوتا، آمنہ کا لال، عبداللہ کا لخت جگر، اور خدیجہ کا شوہر تھا۔

لوگوں کے چہرے محمدؐ کو دیکھتے ہی فرط مسرت سے روشن ہو گئے ہر شخص خوشی سے چلایا ''یہ صادق ہے، یہ امین ہے، ہمیں اس کا ہر فیصلہ منظور ہے۔

ہاشمی اپنے ایک آدمی کا یہ اعزاز دیکھ کر فخر سے پھولے نہ سماتے فخرِ بنو ہاشم آگے بڑھا۔ اپنے جسم سے چادر اتاری۔ صحن کعبہ میں اسے بچھایا اور حجر اسود کو اپنے ہاتھ سے اس پر رکھ دیا۔

اس کے بعد تمام سرداروں سے فرمایا کہ آپ صاحبان چادر کے کونوں کو پکڑ کر اٹھائیں۔

اپنے نوجوان ثالث کے ارشاد کی تعمیل میں سرداران قریش نے نہایت ذوق وشوق سے چادر کے کونوں کو پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

نوجوان ثالث نے فرمایا ''ابھی اور ابھی اور''

اور سرداران قریش چادر اوپر اٹھاتے رہے۔

جب چادر اس مقام پر پہنچ گئی جہاں پتھر کو نصب کرنا تھا تو ہونے والے رحمۃ للعالمین نے اپنے دست مبارک سے پتھر کو اٹھایا اور اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اس طرح اس نوجوان کی دوراندیشی اور صلح کل پالیسی کی بدولت ایک منٹ میں اس عظیم الشان فتنہ کی آگ بجھ گئی جس کی لپیٹ سے سارا مکہ بھسم ہو کر رہ جاتا۔ کعبہ کی دیواریں اسی طرح کھڑی رہتیں۔ حجر اسود بھی اسی

طرح زمین میں پڑا رہتا مگر مکہ میں ایک آدمی بھی زندہ نہ بچتا۔

یہ تھا میرے آقاؐ کا پہلا پبلک فیصلہ۔

(۲۸) وفادار غلام اور مہربان آقاؐ

عرب میں قزاقوں کا شیوہ تھا کہ شریفوں کے بچوں کو پکڑ کر لے جاتے اور غلام بنا کر بیچ ڈالتے۔ یمن کے قبیلہ قزاعہ کے ایک معزز شخص حارث کے ساتھ بھی یہی سانحہ گزرا۔ یہ شخص عیسائی تھا اس کا لڑکا زید نہایت ہی نیک اور فرمانبردار بچہ تھا صورت بہت پیاری اور عادتیں بڑی پسندیدہ تھیں۔ ابھی صرف آٹھ سال کا تھا کہ ماں کے ساتھ ایک سفر پر گیا۔ راہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا اور دوسرے بچوں کے ساتھ زید کو بھی پکڑ کر لے گئے۔

ان خبیثوں کا تو پیشہ یہی تھا۔ ان بچوں کو لا کر بازار عکاظ میں بیچ ڈالا مکہ کے ایک رئیس حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے ان میں سے تین چار لڑکے خرید لئے زید انہی میں سے ایک تھا۔ چونکہ یہ دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ ہوشیار معلوم ہوتا تھا اسلئے ڈاکوؤں نے اس کے چار سو درہم وصول کئے۔

حکیم بن حزام بچوں کو اپنے ساتھ گھر لے آئے، کچھ دن کے بعد ایک روز جو خدیجہ ان کے ہاں گئیں تو وہ کہنے لگے کہ پھوپھی! میں نے دو چار دن ہوئے کچھ غلام خریدے ہیں ان میں سے ایک آپ کی نظر کرنا چاہتا ہوں آپ پسند کر لیں۔

خدیجہ نے زید کو پسند کرلیا اور گھر لے آئیں۔

بچہ شائستہ اور مہذب تھا۔ خدیجہ نے اپنے واجب الاحترام شوہر سے کہا ''یہ تو آپ کے لائق ہے میری طرف سے قبول کیجئے''

زید اب محمدؐ کا غلام تھا۔

زید کی گم شدگی کے بعد اس کے ماں باپ کا اس کے فراق میں برا حال ہوا دن رات اس کے غم میں روتے اور ہر وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے۔

باپ کو اپنے پیارے بیٹے سے بڑی محبت تھی اس لئے اس کی جدائی کا صدمہ غم نصیب باپ کے لئے نا قابل برداشت ہوگیا۔ اپنے دل کی بھڑاس نے ان اشعار میں نکالی جن کا ترجمہ یہ ہے:

اے زید! میری آنکھیں تیرے غم میں اشکبار ہیں اور ان سے آنسوؤں کی لڑی بہہ رہی ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ تو زندہ ہے یا مرگیا؟

زید ہم تجھے کہاں تلاش کریں؟ نہ معلوم تو سمندر میں ڈوب گیا ہے یا زمین نے تجھے نگل لیا کاش مجھے پتہ لگ جاتا کہ اس دنیا میں تجھ سے ملاقات ہوسکے گی یا نہیں؟

ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اسکی گول ٹکیہ میں مجھے تو بیٹھا نظر آتا ہے اور جب ڈوبنے لگتا ہے تو میں دور افق کی سنہری شفق میں تیری تصویر دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہوں۔

ہر شب کو جب چاند نکلتا ہے تو اسے دیکھتے ہی میں تجھے یاد کر کے

تڑپ جاتا ہوں اور جب اندھیری رات میں آسمان پر ستارے چمکتے ہیں تو میں تیرے تصور میں کھو جاتا ہوں۔ جب سرد ہوا چلتی ہے تو تیری جدائی میں وہ دل پر تیر بن کر لگتی ہے اور جب گرم ہوا کا جھونکا آتا ہے تو وہ میرے قلب میں تیری یاد کا شعلہ بھڑکا دیتا ہے۔

میں اونٹ پر بیٹھ کر دنیا بھر کا چکر لگاؤں گا اور ہر ملک کے کونے کونے میں تجھے ڈھونڈوں گا۔ شاید تو مل جائے۔

اگر میری بدقسمتی سے تیرا سراغ نہ ملا تو میں تیری جستجو میں اپنی زندگی قربان کردوں گا۔ اور جب تیری تلاش کرتے کرتے مرنے لگوں تو قیس، عمر، یزید اور جبلہ کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ اپنی زندگیاں تجھے تلاش کرنے میں ختم کردیں۔

جو آدمی حارث سے ملتا وہ اس سے پوچھتا تم نے کہیں میرا بیٹا دیکھا ہے؟ اس کا چہرہ ایسا ہے جیسے بگلے کا پر جب سنتا کہ کوئی قافلہ کسی دوسرے شہر کو جا رہا ہے وہ اس کے آدمیوں کے پاس جاتا اور ان سے کہتا اگر تمہیں کہیں میرا بیٹا ملے تو اسے اپنے ساتھ لے آنا۔ وہ آٹھ برس کا بھولا بھالا شریف بچہ ہے۔ اس کی صورت دلکش ہے اور آواز لطیف!''

غرض کئی سال اس طرح گزر گئے مگر یوسف گم گشتہ کا پتہ نہ لگا۔

ناگاہ اُمید کی ایک شعاع نظر آئی۔ بنی کلب کے بعض لوگوں نے حج سے واپس جا کر زید کے باپ سے بیان کیا کہ تمہارا بیٹا مکہ میں ایک شخص محمد نامی کا غلام ہے۔ کوئی اُن کے ہاتھ بیچ گیا ہوگا۔ ہم تمہارے بیٹے سے ملے

تھے وہ نہایت خوش وخرم اور آرام سے ہے۔ اس کا آقا اسے بہت اچھی طرح رکھتا ہے۔ ہم نے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ زید کا آقا سردارِ قریش عبدالمطلب کا پوتا ہے۔ اور بڑا ہی عالی ظرف نیک دل ملنسار اور خلیق آدمی ہے۔ مکہ میں ہم جس سے بھی ملے۔ اُس نے محمدؐ کی تعریف کی۔ ساری قوم نے اُسے ''امین'' اور ''صادق'' کا خطاب دے رکھا ہے۔ اگرچہ یہ شخص ابھی بالکل نوجوان ہے۔ مگر مکّہ کا ہر آدمی اس کی عزت کرتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر تم مکّہ جا کر زید کے متعلق محمدؐ سے کہو گے۔ تو وہ ضرور تم کو تمہارا بیٹا واپس کر دے گا۔

سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ مسّرت کا چراغ روشن ہو گیا۔ اور مایوسی کی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ باپ اور چچا بہت سا روپیہ ساتھ لے کر مکّہ کو روانہ ہو گئے۔

یہاں پہنچے تو تلاش کرتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:۔

''اے سردارِ قریش کے فرزند! اے بنو ہاشم کے چشم و چراغ! اے شریف ونجیب اور معزز نوجوان! ہم یہاں نووارد ہیں اور کل ہی آ کر اترے ہیں۔ وطن میں بھی اور یہاں پہنچ کر بھی ہم نے تیرے اخلاقِ کریمانہ اور تیری عادات حسنہ کی بہت تعریفیں سنی ہیں۔ ہم تجھ سے بھیک مانگنے آئے ہیں۔ اور تیری شرافتِ نفس سے امید ہے کہ تو ہمیں مایوس نہیں لوٹائیگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم یمن کے رہنے والے ہیں۔ ہمارا ایک لڑکا تھا زید نام، ڈاکو اُسے پکڑ کے

لے آئے۔ اور سُنا ہے کہ تیرے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اے کریم النفس انسان! ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ مہربانی کر کے اُسے ہمارے حوالے کر دے۔ اور اس کے بدلہ میں جس قدر روپیہ چاہے ہم سے لے لے۔ ہم بلا تامل ادا کر دیں گے اور ہمیشہ تیرے احسان کے شکر گذار رہیں گے''۔

زید کے باپ کی یہ تقریر سن کر آپؐ کچھ فکرمند سے ہو گئے۔ دراصل زید سے آپؐ کو اتنی محبت ہو گئی تھی۔ کہ آپ اُسے اپنے سے جُدا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری طرف آپ کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔ کہ لڑکے کو اپنے ماں باپ سے چھڑا کر زبردستی اپنے پاس رکھا جائے۔ اس لیے آپؐ سوچنے لگے کہ کیا جواب دوں؟

آپؐ کو مذبذب دیکھ کر بڑی بے چینی کے ساتھ حارث نے کہا۔ اے سردار قریش کے عالی قدر فرزند! ہم تجھے تیرے ذی وقار آباؤاجداد کا واسطہ دے کر التجا کرتے ہیں کہ ہمارے حال پر رحم کر اور ہمارے لڑکے کو ہمارے ساتھ کر دے۔ کاش! تجھے اس بات کا احساس ہوتا کہ والدین کا اپنے بچے کی جدائی سے کیسا بُرا حال ہوتا ہے۔ اور اگر اُن کا بچہ کھو یا جائے تو وہ اس کے فراق میں کتنے بے چین اور بے قرار ہوتے ہیں؟ تو یقین کر کہ ہم نے یہ سارا زمانہ رو رو کر کاٹا ہے''۔

سردار قریش کے عالی قدر فرزند نے جواب دیا۔ ''یہ بات نہیں۔ مجھے اُس صدمہ کا پورا پورا احساس ہے جو آپ کو اپنے بچے سے جدا ہونے پر ہوا ہوگا۔ آپ کا بچہ بیشک میرے پاس ہے۔ لیکن بات یہ ہے۔ کہ

چند دن اکٹھے رہنے کی وجہ سے مجھے زید سے ایسی محبت ہوگئی ہے کہ اب اُس سے جدا ہونے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کیا مفاہمت کی کوئی اور صورت نہیں ہوسکتی؟''

آپؐ کی اس گفتگو سے دونوں بھائیوں نے یہ سمجھا کہ ہاشمی سردار زادہ ہمارے بچے کو اپنی غلامی سے آزاد کرنا نہیں چاہتا۔ اور بہانے بنا کر بات کو ٹال دینے چاہتا ہے۔

یہ سوچتے ہوئے بہت ہی مایوس ہوکر حارث نے کہا'' مفاہمت کیسی اور صورت کے کیا معنی؟ ہماری تو عقل کچھ کام نہیں کرتی۔ آپ ہی بتلائیں کہ کیا شکل ہوسکتی ہے؟''

آپؐ نے فرمایا'' میرے خیال میں ایک بات آئی ہے۔ بشرطیکہ آپ کو بھی منظور ہو۔ وہ یہ کہ اس معاملہ کے متعلق خود زید سے پوچھ لیا جائے۔ اگر وہ آپ کے ہمراہ جانا چاہے تو بیشک چلا جائے۔ میں ہرگز اُس کے بدلہ میں کوئی رقم آپ سے نہیں لونگا۔ آپ کو اپنا بچہ مبارک رہے۔ لیکن اگر وہ آپ کے ساتھ جانے کی بجائے میرے پاس رہنے کو پسند کرے۔ تو پھر آپ سے التجا کروں گا کہ اگر آپ چاہیں تو اُسے چھوڑ جائیں۔ اور اس بات سے بالکل مطمئن رہیں کہ آپ کے لڑکے کو جب تک میں زندہ ہوں یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ لیکن اگر آپ کو یہ بات منظور نہ ہو تو پھر میں جبر کرنا ہرگز نہیں چاہتا۔ آپ شوق کے ساتھ بچے کو اپنے ساتھ لے جائیں۔

دنیا میں ایسا کونسا غلام ہوگا۔ جس کی آرزو یہ نہ ہو کہ اُسے آزادی

مل جائے؟ اور زمین پر ایسا کونسا بیٹا ہوگا جو ماں باپ کے پاس رہنے کی نسبت غیر آدمی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے۔ کیونکہ ظاہر ہے جو آرام اور عیش اولاد کو ماں باپ کے ہاں حاصل ہوتا ہے وہ کہیں اور ہرگز نہیں مل سکتا۔ اور جتنی محبت والفت بیٹے سے والدین کر سکتے ہیں۔ اتنی اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

یہ خیال کرتے ہوئے باپ اور چچا دونوں بڑی خوشی سے نوجوان آقا کی پیش کردہ تجویز پر راضی ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔'' آپ نے یہ بات بالکل ٹھیک اور درست کہی۔ ہمیں منظور اور قبول ہے۔ بیشک زید سے پوچھ لیا جائے۔ اگر وہ آپ کے پاس رہنا چاہتا ہے تو پھر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن آپ اپنی بات پر قائم رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں انکار کر دیں۔ وعدہ خلافی آلِ غالب کے شایانِ شان نہیں''۔

اس بات پر نوجوان سردار زادہ بجائے ناراض ہونے کے مسکرایا۔ اور فرمایا۔'' مجھے آج تک کبھی اس بات کا وہم بھی نہیں آیا کہ میں کوئی وعدہ کر کے اُسے پورا نہ کروں۔ یا کوئی اقرار کر کے اس سے پھر جاؤں۔ آپ اطمینان رکھیں میں بہرحال اپنی بات پر قائم رہوں گا۔ زید کہیں کھیلنے گیا ہوا ہے۔ آجائے تو آپ اُس سے دریافت فرمالیں''۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں زید ہنستا ہوا باہر سے آیا اور گھر کے اندر جانے لگا۔ مگر اُس کے آقا نے آواز دی۔'' میاں زید! ادھر آؤ''۔

یہ سُن کر زید پلٹا اور اچانک اپنے سامنے باپ اور چچا کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

آقاؐ نے فرمایا۔ ”زید! ان دونوں آدمیوں کو پہچانتے ہو“؟

زید نے کہا۔ ”جی ہاں! یہ میرے والد ہیں۔ یہ میرے چچا ہیں۔

یہ کہتے کہتے چھوٹا بچہ دوڑ کر باپ سے لپٹ گیا۔ اور باپ نے بڑی محبت کے ساتھ سینے سے لگالیا۔ چچا نے بھی پیار کیا۔

اب آقاؐ نے پوچھا۔ ”زید! یہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں۔ بولو تمہاری کیا مرضی ہے؟ آیا میرے پاس رہنا چاہتے ہو یا ان کے ساتھ جانا چاہتے ہو“؟

باپ اور چچا نہایت اشتیاق کے ساتھ زید کے چہرہ کی طرف دیکھنے لگے کہ دیکھیں زید کیا کہتا ہے۔ مگر باپ اور چچا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب زید نے بالکل خلافِ توقع جواب دیا۔ ”میں آپ ہی کے پاس رہوں گا میں اپنے گھر واپس جانا نہیں چاہتا اور ہرگز نہیں جاؤں گا“۔

اس پر بڑے تعجب کے ساتھ باپ نے کہا۔

”زید کیا تو غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تیری عقل پر ہزار افسوس“!

زید نے جواب دیا۔ ”ہاں ہاں میں محمدؐ کی غلامی کو آزادی پر ہزار مرتبہ ترجیح دیتا ہوں۔ جو فضائل اور محاسن میں نے اپنے محترم آقاؐ کے وجود میں دیکھے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف میرے جسم کو بلکہ میری روح کو بھی ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنالیا ہے۔ میں اپنے آقا کا ساتھ اب مر کر ہی چھوڑوں گا“۔

آقا نے غلام کی وفاداری کا یہ ولولہ انگیز مظاہرہ دیکھا تو فرطِ

شفقت سے اُس کا ہاتھ پکڑا اور خانہ کعبہ میں لے گئے۔ باپ اور چچا ساتھ تھے۔

کعبہ میں اُس وقت قریش کے چند معزز لوگ بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ اُن کے سامنے پہنچ کر نوجوان آقاؐ نے فرمایا۔

”جو صاحبان اس وقت یہاں موجود ہیں۔ وہ اس بات کے گواہ رہیں کہ میں آج سے زید کو آزاد کرتا اور اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا“۔

باپ اور چچا پاس کھڑے تھے۔ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کوئی لڑکا اپنے والدین کو چھوڑ کر غیر شخص کی غلامی پر فخر کر سکتا ہے۔ اور کوئی آقا اپنے غلام سے اس قدر رحم اور ایسی شفقت کا برتاؤ کر سکتا ہے۔

دونوں بھائیوں کے لیے ایک طرف عقیدت ومحبت اور دوسری طرف ہمدردی وشفقت کا یہ نظارہ بڑا عجیب وغریب تھا۔ وہ حیران ہوگئے اور سمجھ نہ سکے کہ دنیا میں ایسے آقا اور ایسے غلام بھی ہوسکتے ہیں۔ تاہم جب انہوں نے دیکھا کہ لڑکا کسی صورت سے بھی اُن کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں تو مجبوراً اسے چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ زید نے جو کہا تھا اُسے پوری طرح نبھایا۔ یہاں تک کہ آخر اپنے آقاؐ کے اوپر قربان ہو کر اپنی صداقت اور وفاداری پر مہر تصدیق ثبت کرگیا۔ خدا کی ہزاروں رحمتیں اُس پر ہوں۔ یہ تھا آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا غلام!

اسی غلامؓ کے متعلق صدیق اکبرؓ کی بیٹی ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر رسول کریمؐ کی وفات کے وقت زیدؓ زندہ ہوتا تو آنحضرتؐ اپنے بعد اُسے اپنا جانشین بنا جاتے۔

حضرت زیدؓ کے شرف، بزرگی اور عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت زید ایسے صحابی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

(۲۹) آفتابِ رسالتؐ کا طلوع

اب آفتابِ رسالتؐ طلوع ہونے کو ہے۔ اور کفر کی تاریکی کے دور ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ دُنیا جو گناہ کی نجاست میں غرق تھی۔ اب نئی زندگی اختیار کرنے کو ہے۔ شیطانی طاقتیں اور طاغوتی قوتیں ملیامیٹ ہونے والی ہیں۔ اور خدا کی بادشاہت جیسی آسمان پر ہے ویسی ہی زمین پر بھی قائم ہونے والی ہے۔ دُنیا جو ظلم وستم اور طغیان وعصیان سے بھر گئی ہے۔ اب عدل و انصاف اور ایمان و یقین سے معمور ہونے والی ہے۔ ظلمت اور تیرگی کے بادل جو تمام عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ اب چھٹ جانے کو ہیں۔ رحمت کا پانی جو وقت کا منتظر تھا۔ اب برس کر تمام مردہ زمین کو سیراب کرنے والا ہے۔ ہر طرف جو فساد کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اب وہ امن وسکون کے قالب میں تبدیل ہونے والی ہے۔ سختی و درشتی جس کا دنیا بھر میں عمل دخل تھا اب نیست ونابود ہونے والی ہے۔ زیردستوں پر ظلم اور کمزوروں پر ستم اب ختم ہونے والا ہے۔ دُنیا کا ہادیؐ۔ عالم کا رہبرؐ۔ اور دونوں جہان کا سردارؐ۔ خدا کے دربار سے نبوت کا پاک خلعت پہن کر باہر نکلنے والا ہے۔ بداخلاقی۔ بددیانتی اور فسق و فجور جو شیطان کا طرۂ افتخار ہیں اب مٹ جانے والے ہیں۔ اور اُن کی بجائے خلوص۔ محبت اور یگانگت کا دور دورہ ہونے والا ہے۔ خدائے ذوالجلال کا چہرہ

اب نظر آنے کو ہے۔ شیطان اپنا لعنتی منہ چھپا کر بھاگنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ بے دینی اور شرک کی لعنت سے دُنیا پاک ہونے والی ہے۔ پرہیزگاری اور توحید اور علم وعرفان کی روشنیوں سے عالم منور ہونے والا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ کو بتایا جائے۔ کہ جس وقت ہمارا آقاؐ کفر کی تاریکیوں کو دُور کرنے کے لیے وحیِ الٰہی کی مشعل لے کر کھڑا ہوا۔ تو دُنیا اس وقت ہر قسم کے گناہوں اور ہر طرح کے فسق وفجور میں کس بری طرح مبتلا تھا؟ اخلاقی اور مذہبی حالت کس درجہ گری ہوئی تھی؟ فضول اور لایعنی رسموں کی کتنی بہتات تھی؟ توہمات اور وہمیات کا کیسا جال پھیلا ہوا تھا؟ معمولی باتوں پر کٹ مرنے اور چھوٹے چھوٹے امور پر برسوں لڑتے رہنے کا کتنا لامتناہی سلسلہ جاری تھا؟ اور اس کے بعد اُس رحمۃ للعالمینؐ نے آ کر دنیا کی کایا کیسی پلٹ دی۔ اس بیان کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ؂

گر نبودے بالمقابل روئے مکروہ وسیاہ
کس چہ دانستے جمالِ شاہد گلفام را

(۳۰) بتوں کا سردار خدا کے گھر میں

کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے صرف خدا کی عبادت کے لیے بنایا تھا۔ لیکن بعد میں اُن کی اولاد گمراہ ہوگئی اور خدا کی پرستش چھوڑ کر بُتوں کو پُوجنے لگی۔ اس ضلالت میں یہ لوگ اس قدر بڑھے کہ خود خانہ کعبہ میں بُت لا کر رکھ دیئے اور اُن کی پوجا پاٹ کرنے لگے۔ ان بتوں کی تعداد آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تین سو ساٹھ تک پہنچ گئی۔ خدا کی پناہ! شاید دُنیا کے کسی بت خانہ میں اتنے بُت نہ ہوں گے جتنے خدا کے اِس گھر میں رکھے ہوئے تھے۔[1]

کعبے کے اِن خداؤں کا سردار ہُبل تھا۔ یہ بت خانہ خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ اسی کم بخت سے عرب میں بت پرستی کا رواج شروع ہوا تھا۔ جس کی کہانی حسب ذیل ہے:۔

مکہ کا مقتدر رئیس اور کعبہ کا متولی قبیلہ خُزاعہ کا ایک شخص عمرو بن لُحی تھا۔ یہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوگیا۔ ہر چند علاج معالجے کیے لیکن صحت نہ ہوئی۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ملک شام کے مقام مآب میں ایک چشمہ ہے۔ اگر اُس کے پانی سے نہاؤ تو تمہارا مرض دُور ہو جائے گا۔ چنانچہ عمرو وہاں گیا اور چشمہ کے پانی سے غسل کر کے تندست ہوگیا۔

مآب کے قیام کے دوران میں اُس نے گاؤں کے باشندوں کو دیکھا کہ بتوں کو پُوج رہے اور اُن کے آگے سجدے کر رہے ہیں۔

عمرو کے لیے یہ بات بالکل نئی تھی۔ یہ تماشہ دیکھ کر اُسے بڑی حیرت ہوئے اور اُس نے تعجب سے پوچھا کہ "بھئی تم انہیں کیوں سجدہ کر رہے ہو؟ اور یہ کون ہیں"؟

مآب والوں نے جواب دیا کہ "میاں! تمہیں اتنا بھی پتہ نہیں؟ یہ تو بے انتہا مفید وجود ہیں۔ یہ ہماری ہر ضرورت کو پُورا کرتے اور ہماری ہر حاجت کو برلاتے ہیں۔ یہ ظاہر میں تو پتھر نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں بڑی طاقتوں والے ہیں۔ جب ضرورت ہوتی ہے۔ بارش برسا دیتے ہیں۔ جب حاجت ہوتی ہے۔ دھوپ نکال دیتے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو پامال کرتے ہیں۔ ہمارے دوستوں کو نہال کرتے ہیں۔ ہمیں راحت۔ آرام اور خوشی بخشتے ہیں۔ بیماری سے شفا اور قرض سے نجات دیتے ہیں۔ غرض ہم اُن سے جو التجا کریں وہ اسے پُوری کرتے ہیں"۔

عمرو بن لُحی نے جو یہ لچھے دار بیان سُنا تو اپنی بیوقوفی کی ترنگ میں بے اختیار اُن سے کہنے لگا "جب یہ بات ہے تو تم لوگ بڑے مزے میں ہو۔ اگر تم مہربانی کر کے ان میں سے ایک بُت مجھے بھی دے دو۔ تو میں اس کو اپنے وطن میں لے جاؤں۔ تمہارا تو اس میں کوئی ہرجہ نہیں ہوگا۔ مگر ہم لوگوں کو بڑی آسانی ہو جائے گی"۔

مآب کے لوگوں نے یہ سُن کر اسے ایک بُت دے دیا۔ یہی ہُبل

تھا جسے عمرو نے لا کر خانہ کعبہ کی چھت پر رکھ دیا۔ اور سارے عرب میں گھر گھر پھر کر لوگوں کو اُس کے پوجنے کی ترغیب دینے لگا۔

چونکہ یہ شخص نہایت بااثر۔ بڑا فیاض اور بہت سخی تھا۔ اور لوگ اُس کے زیر بار احسان تھے۔ اس لیے اُنہوں نے اُس کا کہنا مان لیا۔ اور بتوں کو پُوجنے لگے۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کعبہ بت پرستوں کا تیرتھ بن گیا۔

(۳۱) پتھّروں کے پرستار

جب مکہ میں بُت پرستی شروع ہوئی تو چونکہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اور ہر شخص کے دل میں کعبہ کا ادب اور اُس کی تعظیم تھی اس لیے آہستہ آہستہ سارے عرب میں بت پرستی پھیل گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلے کا۔ ہر خاندان کا۔ ہر گھرانے کا۔ بلکہ ہر شخص کا خدا علیٰحدہ بن گیا۔

یہ سارے خدا پتھر کے ان گھڑ ٹکڑے یا بے ڈھنگے تراشے ہوئے بت تھے۔ جب کوئی شخص سفر پر جاتا تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جاتا۔ راستے میں جہاں قیام کرتا ان پتھروں کا چولھا بنا کر کھانا پکاتا۔ اور کھا پی کر جب فارغ ہو جاتا تو انہی میں سے ایک پتھر اٹھاتا اور اس کے آگے سجدے میں گر پڑتا۔ مگر یہ پتھر ساتھ لے جانے کا قصہ درمیانی زمانہ کا تھا جب بت پرستی ان کی رگ رگ میں سما گئی۔ تو پھر اس کی بھی ضرورت نہ رہی۔ سفر پر جہاں پڑاؤ ڈالتے وہیں سے ایک پتھر اٹھا لیتے اور اسے اپنا خدا بنا لیتے۔ ویسے بھی احتیاطاً ہر ایک کی جیب میں ایک پتھر رہتا تھا۔ راہ چلتے میں جس وقت دل چاہا نکال کر اس کی پوجا کر لی اور پھر اسے جیب میں ڈال لیا۔

مگر تماشہ یہ تھا کہ باوجود بت پرستی کے اس عشق کے جب انہیں غصہ آتا تھا تو اپنے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ امراء

القیس ایک بہت مشہور شاعر تھا اس کے باپ کو کسی نے قتل کر دیا۔ اس نے اپنے بت کے سامنے جا کر فال لی کہ مجھے باپ کے قاتل سے بدلہ لینا چاہیئے۔ یا نہیں؟ بدقسمتی سے فال میں نکلا کہ قصاص نہیں لینا چاہیئے

شاعر کو بہت غصہ آیا۔ مگر اس نے خیال کیا کہ شاید فال لینے میں غلطی ہو گئی۔ بھلا بت ایسی ناانصافی کا حکم کس طرح دے سکتا ہے؟ اسلئے دوبارہ فال لی۔ مگر پھر بھی فال میں یہی نکلا کہ بدلہ نہیں لینا چاہیئے۔

اب تو شاعر کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی۔ اس نے نہایت طیش میں آ کر اپنے خدا پر تھوک دیا اور کہنے لگا۔ ”کم بخت:! اگر تیرا باپ مارا جاتا تو پھر میں دیکھتا تو کس طرح قصاص نہ لیتا؟“

ایک آدمی کا اونٹ کچھ بیمار تھا۔ وہ اسے اپنے بت کے پاس لے گیا اور اس سے التجا کرنے لگا۔ کہ اسے تندرست کر دے۔ اس بت کا نام سعد تھا۔ اتفاقاً بت کو دیکھتے ہی اونٹ بدک کر بھاگا۔ اور آن کی آن میں نظروں سے غائب ہو گیا۔

اس پر اعرابی بڑے غصے میں بھر کر بولا۔ ”او بدنصیب بت! یہ تو نے کیا حرکت کی؟ بتلا اب میں کیا کروں اور کہاں سے اپنے اونٹ کو ڈھونڈھ کر لاؤں؟ تجھے سعد کس نے بنایا؟ تُو تو بڑا منحوس ہے“

یہ کہا اور بڑی نفرت کے ساتھ بُت کے چہرہ پر زور سے ایک پتھر دے مارا جس سے اس کی ناک ٹوٹ گئی۔

جہاں یہ بات تھی کہ عرب اپنے خداؤں پر ناراض ہو لیتے تھے

۔وہاں ان کو اپنے ان بے جان معبودوں سے عقیدت اور محبت بھی بہت تھی۔ روزمرہ دیکھتے کہ کتا آیا اور ٹانگ اٹھا کر بُت کے اوپر مُوت گیا۔ مگر اس سے ان کی خوش اعتقادی میں ذرا فرق نہ آتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ کسی نے کچھ کھانا بطور نذر لا کر بت کے آگے رکھا۔ ابھی وہ اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ کوئی کتا موقع پر پہنچ گیا۔ مال غنیمت کو اطمینان کے ساتھ چٹ کیا۔ اور دُم ہلاتا ہوا چل دیا۔ وہ شخص کھڑا دیکھتا رہا مگر اس کی عقیدت اپنے خدا سے کم نہیں ہوئی۔

عمرو بن جموح ایک شخص تھا اس نے لکڑی کا ایک بت اپنے گھر میں بنا رکھا تھا۔ تاکہ ضرورت کے وقت کہیں باہر نہ جانا پڑے اور گھر ہی میں پوجا پاٹ سے فراغت ہو جایا کرے۔ اس کے پڑوس میں دو آدمی معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرہ رہا کرتے تھے۔ جب عمرو کہیں باہر جاتا۔ وہ دونوں چھپ کر آتے اور بت کو اٹھا کر سنڈاس میں پھنک دیتے۔ عمرو بن جموح آتا۔ بت کی توہین کرنے والے کو برا بھلا کہتا۔ پھر کمال خلوص کے ساتھ بت کو نکالتا۔ پانی سے دھوتا۔ کپڑے سے پونچھتا اور خوشبو لگا کر اپنی جگہ رکھ دیتا۔

یہ تماشا روز اسی طرح ہوتا۔ لیکن نہ وہ دونوں پڑوسی اپنی شرارت سے باز آئے۔ نہ اس بیچارے کے دل میں اپنے بت کی طرف سے کوئی بد عقیدگی پیدا ہوئی۔

محبت کے ساتھ بتوں کا خوف بھی ان کے دلوں میں بیٹھا ہوا تھا۔

ایک لڑکے کو اُس کی ماں نے کچھ دودھ۔ تھوڑا سا مکھن اور ذرا سا پنیر دیا کہ جا ہمارے معبودوں پر چڑھا آ۔

خالص دودھ۔ تازہ مکھن اور عمدہ پنیر دیکھ کر لڑکے کا دل بہت للچایا اور بے اختیار اس کا جی چاہا کہ دودھ۔ مکھن اور پنیر سب خود چٹ کر جائے اور ماں سے جا کر کہہ دے کہ چڑھا آیا۔ مگر پھر یہ خیال آیا کہ اگر بتوں نے اس گستاخی پر ناراض ہو کر میری گردن توڑ ڈالی تو کیا کروں گا؟

اس مشکل کا کوئی حل لڑکے کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس لیے ناچار اور جبراً قہراً دودھ۔ مکھن اور پنیر کے پیالے لے جا کر بتوں کے آگے رکھ دیئے۔ اگرچہ منہ میں پانی بھرتا رہا۔ ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک کتا آیا ۔ اس نے دودھ پی لیا اور مکھن اور پنیر کھا لیا۔ پھر ان بتوں پر پیشاب کر دیا۔ فارغ ہونے کے بعد جدھر سے آیا تھا ادھر ہی چل دیا۔

ایک مرتبہ بڑے مزے کا تماشا ایک بت کے ساتھ ہوا۔ اس بت کا نام حیس تھا اور یہ سارے کا سارا کھجوروں کا بنا ہوا تھا جب کبھی شہر میں کوئی تقریب ہوتی تو لوگ کھجوریں لا لا کر وہاں جمع کرتے جاتے رفتہ رفتہ وہ کھجوروں کا بڑا ڈھیر بن گیا جس کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی میں روز بروز زیادتی ہوتی جاتی تھی۔

عین اُس وقت جب کہ حیس دن دونا اور رات چوگنا موٹا ہوتا اور پھیلتا جا رہا تھا ایک ایسا سانحہ پیش آیا جس نے غریب کی زندگی ہی کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک سال عرب میں شدید قحط پڑا لوگوں نے اپنے اپنے معبودوں سے قحط کے دور کرنے اور بارش کے ہونے کی بہت دعائیں

مانگیں مگر نہ بارش ہوئی اور نہ قحط دور ہوا۔

جب بھوک کے مارے لوگ بہت ہی مجبور ہو گئے تو قوم کے بڑے بوڑھوں نے باہم مشورہ کر کے پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کی تدبیر یہ سوچی کہ سب کے سب اپنے معبود پر ٹوٹ پڑے اور جس کے حصہ میں جس قدر کھجوریں آئیں چٹ کر گیا اس طرح تھوڑی دیر میں بت کا نام ونشان مٹ گیا اور زمین صاف نکل آئی۔

(۳۲) وحشت کے کرشمے

عرب کے لوگ حد درجہ کے بت پرست تو تھے ہی مگر اس کے ساتھ ہی وحشی، ضدی، جاہل اور فسادی بھی ایسے تھے کہ دنیا میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ بہت ہی معمولی باتوں پر ان میں سال ہا سال تک خوں ریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ جن میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرتے اور ہزاروں آدمیوں کا صفایا ہو جاتا۔ ان خوفناک جنگوں کے اسباب اکثر اوقات اس درجہ مضحکہ خیز ہوتے تھے کہ پڑھ کر ان کی بے عقلی اور جہالت پر بے اختیار ہنسی آتی ہے مثلاً:۔

(۱)

ایک مرتبہ ایک آدمی کا اونٹ چرتے چرتے ایک شخص کے کھیت میں چلا گیا اس وقت کھیت کی رکھوالی اتفاق سے ایک عورت کر رہی تھی اس نے اونٹ کو مار کر کھیت سے باہر نکال دیا۔

اونٹ کا مالک اتنی سی بات پر غصہ میں بھرا ہوا آیا اور عورت کو بری طرح مار کر سخت زخمی کر دیا عورت نے اپنے لوگوں کو آواز دی اونٹ والے نے اپنے قبیلے کو بلایا چلیے دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں اور لڑائی ہونے لگی اس جنگ کا دائرہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا رہا کچھ قبائل ادھر شامل ہو

گئے کچھ خاندان ادھر شریک ہو گئے لڑائی دو خاندانوں سے شروع ہوئی تھی مگر رفتہ رفتہ تمام عرب کے قبیلے جنگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ اور چالیس برس تک لڑائی کے شعلے بھڑکتے رہے۔ جب اس نار جہنم میں ۷۰ ہزار سے زائد آدمی بھسم ہو چکے اس وقت یہ آگ ٹھنڈی ہوئی۔ مولانا حالی اس لڑائی کے متعلق کہتے ہیں:۔

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
صدی جس میں انہوں نے آدھی گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی
تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

(۲)

ایک دفعہ گھوڑ دوڑ ہو رہی تھی ایک گھوڑا جس کا نام داحس تھا مقابلے میں آگے بڑھا ہی چاہتا تھا کہ جھٹ ایک دلیر اور اور فسادی آدمی نے اسے بدکا دیا۔

اس بات پر ایک دو سال نہیں پورے ۶۳ برس تک جنگ ہوتی رہی۔ جس میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرے۔

(۳)

بنی کنانہ کے ایک شخص نے بنو نضر کے ایک آدمی سے کچھ قرضہ لیا

مگر جب کئی تقاضوں کے بعد بھی ادا نہیں کیا تو قرض لینے والے نے یہ کام کیا کہ میلہ عکاظ میں ایک بندر لے کر آیا اور بیچ بازار میں کھڑا ہو کر کہنے لگا میں اس بندر جیسے حقیر اور ذلیل جانور کو اس قرضہ کے بدلے فروخت کرتا ہوں جو بنو نضر کے فلاں شخص نے مجھ سے لیا اور پھر ادا نہیں کیا۔ کوئی ہے جو مجھ سے یہ بندر خرید لے۔

نضری قبیلے والوں کو یہ بات بری لگی اور ان میں سے ایک آدمی نے چپکے چپکے پیچھے سے آ کر ایک ڈنڈا اس زور سے بندر کے رسید کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس پر فوراً دونوں طرف سے تلواریں کھنچ گئیں اور لوگ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے قریب تھا کہ میلہ اچھا خاصا میدان جنگ بن جاتا مگر بعض سرداروں کے سمجھانے بجھانے سے جوش میں بھرے ہوئے بہادر کچھ ٹھنڈے ہوئے اور نوبت باتوں سے لاتوں تک پہنچتے پہنچتے رہ گئی ورنہ اتنا کشت و خون ہوتا کہ لہو کی ندیاں بہہ جاتیں۔

(۴)

ایک دفعہ طریف بن تمیم نامی ایک شخص جو بڑا قد آور اور جسیم آدمی تھا خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا اس دوران میں اس نے دیکھا کہ ایک شخص جس کا نام حمیصہ۔ بن جندل تھا بڑے غور سے اسے دیکھ رہا ہے۔

طریف نے طواف کرتے کرتے ذرا رک کر پوچھا؟

کیوں بھئی خیر تو ہے؟ تو کون ہے؟ اور مجھے اس بری طرح کیوں گھور رہا ہے جیسے زندہ ہی کو کھا جائے گا۔ حمیصہ بولا" ارادہ تو کچھ ایسا ہی

ہے۔ اگر تو کسی جنگ میں میرے سامنے آیا تو یاد رکھ کہ تو ضرور ترا سر بھٹا سا اڑا دوں گا۔ جان کی خیر چاہتا ہے تو ذرا بچ کر رہیو":۔

جان نہ پہچان، باعث نہ سبب۔ اس بلاوجہ بدزبانی سے طریف کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگا:۔

"اے ہبل! اے دیوتاؤں کے دیوتا! میرے حال پر اتنی مہربانی کر کہ اس خبیث اور میرا مقابلہ اسی سال ہو جائے تا کہ میں اس مردود کا ناپاک سر کاٹ کر تیرے آگے بطور نذر پیش کروں"

حمیصہ بھلا کیوں پیچھے رہتا اس نے بھی بلند آواز سے کہا:۔ "اے ہبل! اے طاقت اور قوت والے معبود! تو صرف اسی بدبخت کا خدا نہیں بلکہ میرا بھی پروردگار ہے مجھ پر اتنی مہربانی کر کہ اسی برس کے اندر مجھے اس ذلیل کتے پر غلبہ عطا فرما۔ تا کہ میں اس منحوس کی لاش اٹھا کر گیدڑوں کے پاس جنگل میں پھینک آؤں"

تم خود سوچ سکتے ہو کہ یہ فضول تو تو میں میں بعد میں کتنے آدمیوں کے قتل کا باعث ہوئی ہوگی۔

(۵)

بُجیر ایک شخص تھا بازارِ عکاظ میں کھڑا ہوا میلے کی سیر دیکھ رہا تھا کہ سامنے سے قعنب نامی ایک آدمی آ گیا۔ بجیر نے اس سے پوچھا کہ "قعنب! وہ تیری گھوڑی کیا ہوئی جس کا نام بیضا تھا؟"

قعنب نے جواب دیا "ہوتی کہاں میرے پاس ہے مگر تجھے اس

سے کیا؟ تو کیوں پوچھتا ہے؟"

بُجیر نے کہا "میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ یہ تیری صبا رفتار گھوڑی ہی تھی جس کی بدولت تو اس روز میرے ہاتھ سے بچ گیا، ورنہ اب تک کبھی کا عدم آباد روانہ ہو چکا ہوتا"

قعنب بولا "کیا بکواس لگا رکھی ہے؟ میرا تیرا مقابلہ کب ہوا؟ اور کب میں اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر فرار ہوا؟ بالکل جھوٹ، غلط اور محض بہتان۔ دور ہو یہاں سے شیطان۔

اس پر دونوں نے دعا مانگی کہ "اے ہبل! ہم دونوں میں سے جو جھوٹا بے ایمان اور کذاب ہو وہ سچے کے ہاتھ سے مارا جائے"

اس کے بعد دونوں جدا ہو گئے اگرچہ ان کے درمیان پہلے کوئی دشمنی اور مخالفت نہ تھی مگر آج سے وہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور بالآخر قعنب نے بُجیر کو مار ڈالا۔

(۶)

بنی طے کے قبائل میں باہم کٹا چھنی رہا کرتی تھی۔ حارث بن جبلہ غسانی نے بیچ میں پڑ کر صلح کروا دی۔ تھوڑے دن تو ذرا سکون رہا پھر بیکار بیٹھے طبیعت گھبرائی تو یکا یک بغیر کسی خاص شکایت کے بنو جدیلہ نے بنو غوث پر حملہ کر دیا۔ جدیلہ کا سردار جس کا نام اسبع تھا لڑائی میں مارا گیا تو ایک شخص مصعب نامی نے اس کے دونوں کان کاٹ کر اپنے دونوں جوتوں پر پیوند کے طور پر لگا لئے اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ:۔

ہم اپنے جوتے تمہارے کانوں سے سیا کرتے ہیں اور تمہاری کھوپڑیوں میں شراب بھر کر مزے سے نوش کرتے ہیں۔

(۷)

بنی ظفر کا ایک شخص ربیع نام اونٹ خرید کر اپنے علاقہ کو لے جایا کرتا تھا ایک دفعہ اسی طرح جا رہا تھا کہ بنی نجار کے ایک شخص کے پاس سے گزرا جو اپنی جھونپڑی کے باہر بیٹھا ہوا تھا ربیع کو دیکھ کر کہنے لگا کہ کہو بھئی تم کون ہو؟ کہاں سے آرہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟

ربیع نے کہا" نہیں بتاتے اور تو پوچھنے والا کون ہوتا ہے؟ اور یہ بتلا کہ تو نے یہ کیوں پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اور یہ بھی بتلا کہ تجھے یہ پوچھنے کا کیا حق تھا؟ یہ کہہ کر ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دیا۔

اس کے نتیجے میں بنو ظفر اور بنو نجار میں وہ زور و شور کی جنگ ہوئی کہ خدا دے اور بندہ لے۔

(۸)

ذیل کا واقعہ عربوں کی جہالت کا شاہکار ہے سنئے اور ان کی درندگی پر تعجب کیجئے:۔

بیٹھے بیٹھے ایک روز خبر نہیں کہ کیا خیال آیا کہ بنی بیاضہ کے سردار عمرو بن نعمان نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ جس جگہ رہتے ہو یہ ہرگز آدمیوں کے رہنے کے قابل نہیں، پانی کی یہاں قلت، گھاس کی یہاں کمی، اناج کا یہاں فقدان، کھیتی یہاں ندارد، آب و ہوا یہاں کی خراب۔ غرض پورا علاقہ خاصا جہنم ہے لیکن اس کے بالمقابل بنی نضیر اور بنی قریظہ کی آبادیاں نہایت

سرسبز و شاداب ہیں۔ آب و ہوا بھی اچھی ہے، پانی بھی مل جاتا ہے اور مویشی کے لئے چارہ بھی دستیاب ہو جاتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ وہ تو آرام سے رہیں اور ہم مصیبت سہیں۔ ہرگز وہ لوگ کسی بات میں ہم سے بہتر نہیں ہیں لہذا ان زمینوں پر ان کا کیا حق ہے؟ انہیں فورا کہلا بھیجا جائے کہ یا تو اپنی تمام زمینیں ہمارے حوالے کر دو ورنہ تمہارے چالیس لڑکے جو ہمارے ہاں آئے ہوئے ہیں سب کو پکڑ کر مار ڈالا جائے گا۔

جب یہ انوکھا پیغام بنی قریظہ اور بنی نضیر کے پاس پہنچا تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ کہ یہ کیا ہو گیا۔ بچوں کی سلامتی کی خاطر انہوں نے اس بات کا ارادہ کر لیا کہ وطن چھوڑ کر کہیں نکل جائیں اور اپنی جائدادیں بنی بیاضہ کے سپرد کر کے جہاں سینگ سمائیں چلے جائیں۔

وہ جلاوطنی کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک شخص کعب بن اسد نے انہیں یہ پٹی پڑھائی کہ بچوں کا کیا ہے پھر بھی پیدا ہو سکتے ہیں مگر گیا ملک پھر ہاتھ نہیں آ سکتا۔ اس لئے بچوں کو قتل ہو جانے دو مگر ملک نہ چھوڑو۔

قبیلے والوں کو یہ سیدھی سی بات سمجھ میں آ گئی۔ اور انہوں نے بنی بیاضہ کو کہلا بھیجا کہ بچوں کو بے شک مار ڈالو ہم ملک نہیں چھوڑیں گے۔

جب بنی نضیر اور بنی قریظہ کا جواب بنی بیاضہ کے پاس پہنچا تو ظالم عمرو بن نعمان نے ان بے گناہ بچوں کو پکڑا اور سب کو نہایت بے رحمی کے ساتھ ذبح کر ڈالا۔

اس پر دونوں فریقوں میں زبردست اور خوں ریز جنگ ہوئی جس

میں ہزاروں کھیت رہے۔

(۹)

شرارت اور بے ہودگی ان کی رگ رگ میں بھری ہوئی تھی جس کا مظاہرہ ہر موقع پر ہوتا رہتا تھا۔ بڑے بڑے ہولناک فتنے ان کی شرارت سے پیدا ہوتے رہتے تھے مگر وہ اپنی کرتوتوں سے باز نہیں آتے تھے مثلاً ایک واقعہ سنئے۔

حاطب بن قیس ایک شخص تھا اس کے پاس بنی ثعلبہ کا ایک آدمی مہمان آیا۔ حاطب اپنے مہمان کو لے کر ایک بازار گیا جس کا نام سوق بنی قینقاع تھا وہاں اس وقت ایک بڑا شریر اور فسادی شخص پھر رہا تھا۔ یزید بن حارث اس کا نام تھا۔

یزید اس مہمان کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ کوئی اجنبی آدمی ہے شرارت سوجھی تو ایک یہودی سے کہنے لگا کہ اگر تو اس اجنبی مسافر کی کمر میں زور سے ایک لات مار دے تو میں تجھے اپنی چادر ابھی دے دوں گا۔

یہودی تیار ہو گیا مگر اس نے اپنی اجرت پیشگی مانگی۔ اس پر یزید نے اپنے بدن پر سے چادر اتار کر اس کے حوالے کی اور کہا کہ "لے اب تماشا دکھا"۔

یہودی تیار ہو کر بہت آہستہ آہستہ اس کے پیچھے گیا اور موقع دیکھ کر اس کے ایک لات اتنے زور سے ماری کہ غریب مہمان اوندھے منہ گرتے گرتے بچا۔

جب لوگوں نے یہ تماشا دیکھا تو ہنسنے اور ٹھٹھے مارنے لگے ان کو تفریح کا اچھا خاصا موقع ہاتھ آ گیا۔

مہمان نے لات کھا کر اپنے میزبان کو مدد کے لئے پکارا۔ وہ آیا تو مہمان کی زبانی واقعہ سن کر نہایت غضبناک ہوا اور مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گیا۔ تلوار اٹھائی اور یہودی کی کھوپڑی اڑا دی۔

یزید کو یہودی کے مارے جانے کی خبر ہوئی تو دوڑتا ہوا آیا کہ حاطب کا کام تمام کر دے اور تلوار لے کر اس پر جھپٹا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔

اتفاقاً اس کے خیمہ میں بنی معاویہ کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ یزید جب حاطب کو ڈھونڈتا ہوا اس کے خیمہ میں گیا تو اس شخص کو وہاں بیٹھا ہوا دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر حاطب بھاگ گیا تو کیا ہوا۔ اس کا بدلہ اس شخص سے کیوں نہ لیا جائے جو اس کے خیمہ میں بیٹھا ہے۔ اور اس وقت اس کا قائم مقام ہے۔ حالانکہ بنی معاویہ کے شخص کو پتہ بھی نہیں تھا کہ کیا قصہ ہوا ہے؟ مگر یزید نے غصہ میں آ کر فوراً اس پر حملہ کر دیا ایک سیکنڈ بعد اس بے گناہ کی لاش فرش خاک پر تڑپ رہی تھی۔ اس پر اوس اور خزرج کے قبائل میں اس زور و شور کی جنگ ہوئی کہ خدا کی پناہ!

لڑائی کے دوران بعض لوگوں نے باہم صلح کروانی چاہی اور یہ بھی کہا کہ دونوں فریقوں کا جو مالی نقصان اور جانی نقصان ہوا ہے اس کا تاوان اور معاوضہ ہم ادا کریں گے مگر قبیلہ اوس کے سردار عمرو بن نعمان اور خزرج کے رئیس حضیر بن سماک نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

جب دونوں طرف کے ہزاروں آدمی قتل ہو چکے۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکیں۔ سینکڑوں بچے یتیم ہو چکے تب کہیں جا کر لڑائی تھمی۔ جاہلیت کی تاریخ میں یہ لڑائی جنگ حاطب کے نام سے مشہور ہے۔ غرض

یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

(۳۳)

اخلاق کا جنازہ

جہالت کے کندھے پر

عربوں کی بت پرستی اور ان کی وحشت کی داستانیں تو سن چکے اب کچھ ان کی جہالت کی حکایتیں بھی سنو۔ اخلاقی حالت ان کی بدترین تھی۔ جو عادت تھی نہایت نامعقول۔ جو رسم تھی بہت بیہودہ۔ پڑھنا لکھنا عیب جانتے تھے۔ اور اسے غلاموں کا کام سمجھتے تھے۔ جاہل رہنے پر فخر کرتے اور لکھے پڑھے آدمیوں کو حقیر جانتے تھے شرفا اور معزز لوگوں کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل بات اور کوئی نہ تھی کہ ان کا کوئی فرد لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ نہ معلوم کیا شوق چرایا کہ جاہلیت میں حضرت عمر نے بہت خفیہ طور پر کسی غلام سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ مگر اس بات کو مخفی رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی شخص کو اس کا پتہ نہ لگے۔ انہی ایام کا ذکر ہے کہ اتفاقاً ایک روز ان کا ایک دوست ان کے پاس آیا جو ان کے اس "عیب" سے واقف تھا اور آتے ہی کہنے لگا میں اس وقت تمہارے پاس ایک بہت ہی ضروری کام کے لئے آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھے فلاں شخص کے نام جو یثرب میں رہتا ہے کہ ایک خط لکھ دو قافلہ جا رہا ہے میں ایک آدمی کے ہاتھ اسے یہ خط بھیج دوں گا۔ عمر کہنے لگے "پاگل ہوا ہے، میں بھلا ایسا کام کر سکتا ہوں؟ اگر تیرا خط لکھ دوں تو میری جان آفت میں

آجائے اور ساری قوم میں نکو بن کر رہ جاؤں گا جاؤ چلتے پھرتے نظر آؤ"

دوست نے کہا "خبر ہی کسے ہوگی تم نے لکھا، یا کسی غلام نے، لکھ بھی دو میری ضرورت رفع ہو جائے گی، تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا"

عمر نے جواب دیا: "نہ بھائی! یہ بڑا خطرناک کام ہے میں ہرگز اس جھمیلے میں پڑنے کے لئے تیار نہیں، اگر ذرا بھی کسی کے کان میں بھنک پڑ گئی تو میری سخت بدنامی ہوگی اور میں شہر میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا، بھلا کہیں لکھنا پڑھنا شریف آدمیوں کا کام ہے؟"

دوست نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا کہ "میاں لکھ بھی دو! اگر اشد ضرورت نہ ہوتی تو میں اس قدر اصرار نہ کرتا"

عمر نے کہا "اچھا خیر! تم اصرار کرتے ہو تو لکھ دیتا ہوں بشرطیکہ تم اس بات کا پختہ وعدہ کرو کہ ہرگز کسی سے یہ بات نہ کہو گے کہ یہ خط عمر نے لکھا ہے کیوں کہ اگر کسی کو ذرا بھی پتا لگ گیا تو مفت میں بدنامی ہو جائے گی"

دوست نے ہبل کی قسم کھا کر پکا وعدہ کیا، تب عمر نے خط لکھا۔

ان کی درندگی کی حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بڑی آزادا اور بے باکی کے ساتھ ڈاکے مارتے اور مسافروں کو لوٹتے۔ اور قتل کرتے تھے۔ غضب یہ تھا کہ اس سفاکی اور بہیمیت پر قطعاً نہ شرماتے۔ بلکہ اپنے اشعار میں فخریہ اس لوٹ مار کا اظہار کرتے تھے۔

قتل وغارت سے پہلے آزادانہ جلسے کر کے اس بات کا مشورہ کرتے کہ کہاں ڈاکہ ڈالنا چاہئے؟ کس قبیلہ کو لوٹنا چاہئے اور کس ذریعے سے

مال مویشی حاصل کرنے چاہئیں؟

ان کی اس حالت کا نقشہ مولانا حالیؒ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے
؎

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

شیخی، گھمنڈ اور تعلّی میں حد سے بھرے ہوئے تھے انتہا یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی قبروں پر چلے جاتے اور لوگوں سے کہتے کہ دیکھو! یہ ہمارے فلاں بزرگ کی قبر ہے جو نہایت بہادر اور بڑا دلاور تھا اگر تمہارے ہاں بھی کوئی ایسا عالی قدر انسان ہوا ہو تو اس کی قبر بتاؤ ورنہ شرم سے منہ نہ دکھاؤ اور چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔

جب اس طرح سے وہ لوگوں کو چیلنج دیتے تو پھر ان کو بھی غصہ آتا اور باہم سر پھٹول، لڑائی جھگڑا، اور دنگا فساد ہوتا۔

بے حیائی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی برہنہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب ہم ماں کے پیٹ سے بغیر کپڑوں کے پیدا ہوئے ہیں تو برہنہ طواف کرنے میں کیا حرج ہے؟

بے شرمی کی انتہا یہ تھی ایک عورت اکٹھے دس دس خاوند کر لیتی تھی اور جب چاہے اپنے سب شوہروں کو یا دو تین کو طلاق بھی دے دیتی تھی اسی طرح مرد بھی مختار تھے کہ جس قدر چاہیں بیویاں کر لیں چنانچہ غیلان بن سلمہ نامی ایک شخص کی دس بیویاں تھیں۔ مرد اکثر اپنے دوستوں سے اپنی بیویاں بدل بھی لیا کرتے تھے۔

ایک نہایت ہی شرمناک رسم ان میں یہ پھیلی ہوئی تھی کہ اگر باپ کی کئی بیویاں ہوتیں اور باپ کا انتقال ہو جاتا تو اپنی اصل ماں کو چھوڑ کر سوتیلی ماؤں میں سے جس سے چاہتے نکاح کر لیتے۔ دو سگی بہنوں سے بھی ایک ساتھ نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہ سمجھتے۔

جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو وہ ایک سال تک عدت میں رہتی۔ عدت گزارنے کی صورت نہایت عجیب و غریب تھی پرانے میلے اور بدبودار کپڑے پہن کر اپنے مکان کی سب سے تاریک کوٹھڑی میں جس کی چھت بہت نیچی ہوتی بیٹھ جاتی اس عرصہ میں نہ نہاتی نہ کپڑے بدلتی نہ ناخن کٹواتی اور نہ خوشبو لگاتی۔ جب اس حالت میں ایک سال گزر چکتا تو ایک گدھا اس کے پاس لایا جاتا جس سے وہ اپنا جسم اچھی طرح رگڑتی۔ اس کے بعد اونٹ کی مینگنیاں لائی جاتیں عورت کھڑی ہو کر اپنے ہاتھ پھیلا دیتی اور وہ مینگنیاں اس کی ہتھیلیوں پر رکھ دی جاتیں عورت وہ مینگنیاں اپنے کندھوں کے اوپر سے اپنے پیچھے پھینک دیتی اس عمل کے ساتھ عدت ختم ہو جاتی۔

ماں باپ کا ترکہ ان کے ہاں صرف ان جوان لڑکوں کو ملتا جو

لوٹ مار میں خوب چاق و چوبند ہوتے اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے۔ عورتوں، لڑکیوں اور چھوٹے بچوں کو ورثہ سے محروم رکھتے۔ اور انہیں کچھ نہ دیتے۔

سود لینے اور سود در سود وصول کرنے میں یہودیوں اور بنیوں کے بھی کان کاٹتے تھے۔

شراب اس قدر کثرت کے ساتھ پیتے تھے کہ اتنی زیادتی کے ساتھ ہم پانی بھی نہیں پیتے۔ بخیل سے بخیل اور کنجوس سے کنجوس شراب پینے میں اپنا مال بے دریغ لٹاتا تھا اور اس پر فخر کرتا تھا۔

شراب کی محفلیں جگہ جگہ بڑے زور وشور سے منعقد ہوتیں اور ان میں خم کے خم بڑی آزادی سے لنڈھائے جاتے۔ انتہاء یہ ہے کہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کی قبروں پر بھی شراب چھڑک کر اپنی محبت کا اظہار کرتے تھے۔

جوا کھیلنا ان کے نزدیک نہایت مقدس اور بڑا متبرک مشغلہ تھا جو آدمی جوا نہیں کھیلتا تھا اسے ذلیل سمجھتے اور بری حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جوا نہ کھیلنے والے کی برادری اور قبیلے میں کوئی وقعت نہیں ہوتی تھی اور ایسا آدمی سب جگہ بدنام ہو جاتا تھا۔ جوا کھیلنے میں مال تو الگ رہا بیویاں تک ہار دیتے تھے۔

جب کوئی شخص مرنے لگتا تو اپنی لاش پر نوحہ اور ماتم کرنے کی وصیت کر جایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے انتقال کے بعد خاندان کی ساری

عورتیں اس کے مکان میں جمع ہوتیں اپنے سر کے بال کھول ڈالتیں اور سر میں راکھ بھر کر ماتم کرنے بیٹھ جاتیں۔ اور اتنے زور وشور کے ساتھ سیاپا ڈالتیں کہ محلّہ گونج اٹھتا ماتم کرتے وقت اپنے منہ پر طمانچے مارتیں گریبان پھاڑ ڈالتیں جو عورتیں بہت قریبی رشتہ دار ہوتیں وہ اپنا سر بھی منڈوا دیتی تھیں۔

جب جنازہ اٹھتا تو ساتھ جانے کے لے نوحہ کرنیوالی عورتیں اجرت پر بلوائی جاتیں اور سارے خاندان والے مرد وعورت ننگے پاؤں میت کے پیچھے پیچھے چلتے۔

جب مردے کو دفن کر کے آتے تو بڑی شان اور نہایت اہتمام کے ساتھ اس کا تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھ ماہی اور برسی کرتے۔

میت اگر کسی سخی اور مشہور آدمی کی ہوتی تو دفن کے بعد ایک اونٹنی اس کی قبر پر باندھ دیتے اس کا طریقہ یہ تھا کہ قبر کے پاس ہی اتنا بڑا ایک گڑھا کھودتے جس میں اونٹنی کھڑ ہوسکتی اس کے بعد اس اونٹنی کو اس گڑھے میں اس طرح کھڑا کرتے کہ اس کی گردن خوب مروڑ کر دم کی طرف کر دیتے اور چاروں پاؤں اور گردن رسیوں سے اچھی طرح جکڑ دیتے اور پھر اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر گھر چلے آتے اور نہ اسے کھانے کو دیتے نہ پینے کو یہاں تک کہ وہ بے چاری کھڑی اور بندھی بندھی ہلاک ہو جاتی۔

(۳۴) خوفناک نظارہ

عرب ویسے ہی بدترین رسومات کا گہوارہ تھا مگر سب سے زیادہ ظالمانہ اور وحشیانہ رسم عرب کے اکثر قبیلوں میں لڑکیوں کو مار ڈالنے کی تھی یہ رواج اتنا ہولناک اور دردانگیز تھا کہ اس کا حال پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان لوگوں کی بے رحمی اور سفا کی پر حیرت ہوتی ہے۔

لڑکیوں کو مارنے کے مختلف طریقے تھے۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب لڑکی پانچ چھ برس کی ہو جاتی تو ایک روز باپ جا کر جنگل میں ایک بڑا سا گڑھا کھود آتا پھر لڑکی کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہناتا۔ بناتا سنوارتا۔ بال درست کرتا خوشبوئیں لگاتا اور اپنے ساتھ جنگل میں لے جاتا تھا وہاں اسے گڑھے کے کنارے پر کھڑا کر کے کہتا کہ ”نیچے دیکھ کیا نظر آتا ہے۔“ جب وہ نیچے دیکھتی تو باپ اسے زور سے دھکا دے دیتا اور اوپر مٹی ڈال کر گڑھے کو برابر کر دیتا۔

بعض لوگ اسی طرح لڑکی کو پہنا اڑھا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے جاتے اور وہاں سے ننھی سی جان کو نیچے لڑھکا دیتے۔

بعض آدمی لڑکی کی کمر میں پتھر باندھ کر اس کسی چشمے میں ڈبو دیتے۔

بعض ایسے بھی تھے کہ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اسے جنگل میں لے جا کر زندہ گاڑ آتے تھے اور بعض جو جنگل میں لیجا کر لڑکی کو مارنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ یہ کام کرتے کہ ماں سے کہتے کہ بچی کا سر اور ٹانگیں دونوں ہاتھوں سے پکڑ لے پھر خود چھری لے کر اس ذبح کر ڈالتے اور صحن میں گڑھا کھود کر دبا دیتے

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ یہ نہایت ظالمانہ کام خود ماں سرانجام دیتی تھی۔ اسی کے متعلق مولانا حالی فرماتے ہیں:۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی تھی جب شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

ایک مرتبہ ایک شخص جو مسلمان ہو گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ ”حضور! ہماری نجات اور بخشش کس طرح ہوگی۔ ہم نے تو مسلمان ہونے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے گناہ کیے ہیں۔ میری ایک بچی تھی۔ نہایت پیاری صورت کی اور بڑی بھولی بھالی۔ مجھ پر اپنی جان فدا کرتی ہر وقت میرے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی جب میں گھر آتا دوڑ کر مجھ سے لپٹ جاتی کبھی میری گود میں لیٹ جاتی کبھی میرے کندھوں پر چڑھ جاتی

۔ ایسی میٹھی میٹھی باتیں کرتی کہ غیروں کو بھی اس پر پیار آتا۔ جب وہ چھ برس کی ہوگئی۔ تو ایک روز میں نے اسے نئے کپڑے پہنائے جن کو پہن کر وہ چینی کی ایک گڑیا معلوم ہونے لگی۔ میں نے کہا چل میرے ساتھ“ اس پر وہ ہنستی ہوئی خوشی خوشی میرے ساتھ ہولی۔ میں ایک کنویں پر لے گیا۔ اور جب اس دھکا دینے لگا تو وہ کہنے لگی کہ ”ہیں ابا جان! کیا کرتے ہو؟ میں گر پڑوں گی“۔ میں نے اس کی پروانہ کی اور زور سے اسے دھکا دے دیا۔ وہ کنویں میں گر پڑی اور مرگئی۔ یہ دردناک قصہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنا روئے کہ حضور علیہ السلام کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

اسی طرح اپنی لڑکی کا واقعہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میری لڑکی دو ہی برس کی تھی کہ میں نے اسے زندہ دفن کرنا چاہا میں اسے جنگل میں لے گیا اور جب گڑھا کھود کر اس میں اسے دبانا چاہا تو بچی نے میرا دامن اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پکڑ لیا میں نے جھٹکا دے کر اپنا دامن چھڑا لیا اور جلدی جلدی گڑھے میں مٹی بھر دی جب تک میں زمین برابر کرتا رہا اس وقت تک گڑھے میں سے اَبی ابی کی آوازیں آتی رہیں۔“

یہ ستیاناسی رسم عرب میں اس طرح جاری ہوئی۔ کہ بنی تمیم کا قبیلہ حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر کا تابع تھا۔ اور اسے خراج دیا کرتا تھا۔ مگر بعد میں اس نے سرکشی اختیار کی اور خراج دینا بند کر دیا۔ نعمان نے اپنے بھائی کو کچھ فوج دے کر اس قبیلے کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ وہ آیا اور قبیلے کی بہت سی بھیڑ بکریاں۔ کچھ اونٹ اور بہت سی عورتیں پکڑ کر لے گیا۔

بعد میں قبیلے والے اپنے فعل پر پشیمان ہوئے۔اور نعمان کے پاس عفوِ تقصیر کے لیے اپنے سرداروں کو بھیجا۔انہوں نے آ کر اپنے قصور کی معافی چاہی۔اور آئندہ کے لیے مطیع رہنے کا وعدہ کیا۔جب نعمان نے ان کو معاف کر دیا۔تو انہوں نے اپنے مویشی کی واپسی اور اپنی عورتوں کی رہائی کی درخواست کی۔نعمان نے مویشی وغیرہ تو واپس کر دیے۔مگر عورتوں کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ جو عورت اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ چلی جائے۔اور جو نہ جانا چاہے اس پر جبر نہ کیا جائے۔وہ یہیں رہے گی۔

انہی عورتوں میں قیس بن عاصم نامی ایک شخص کی لڑکی بھی تھی۔قیس نے اس کے شوہر کو اسے لینے کے لیے بھیجا تو اس نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔اور جو آدمی اسے قید کر کے لے گیا تھا۔اسی کے پاس رہنا چاہا۔جب باپ کو حال معلوم ہوا تو اسے لڑکی کی حالت پر نہایت سخت طیش آیا۔اور اس نے قسم کھائی کہ آئندہ میرے ہاں جو بھی لڑکی پیدا ہوگی میں اسے زندہ گاڑ دیا کروں گا۔چنانچہ اس ظالم نے اپنی بارہ تیرہ لڑکیوں کو جو بعد میں پیدا ہوئیں۔اسی طرح ہلاک کر ڈالا۔اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ رسمِ بد پھیلتی گئی۔یہاں تک کہ عرب ملک کے اکثر قبائل اس نجاست میں مبتلا ہو گئے۔

اُف خدا کی پناہ! کتنا دلدوز۔کس قدر حسرت ناک اور کیسا خوفناک وہ نظارہ ہوتا ہوگا۔جب باپ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھ سے گڑھا کھود کر زندہ دفن کرتا ہوگا؟

یہ رسم روزِ روشن کی طرح اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے قساوتِ

قلبی اور سنگ دلی اور بے رحمی میں عرب لوگ ساری دنیا سے بڑھے ہوئے تھے۔

(۳۵) مضحکہ خیز توہّمات

(۱)

عربوں کے توہمات۔تخیلات ۔شگون اور اعتقادات بھی بڑے عجیب اور دنیا جہاں سے نرالے تھے مثلاً جس سال مینہ نہ برستا اور بارش نہ ہوتی تو وہ یہ کام کرتے کہ چند گائیں لے کر اُن کی دموں سے کچھ لکڑیاں باند دیتے اور پھران کو آگ لگا دیتے۔پھران گائیوں کو پہاڑوں پر چڑھاتے اور وہاں پہنچ کر اپنے بتوں سے بارش کی دعا مانگتے۔

(۲)

ان کا اعتقاد تھا کہ جب آدمی کو بھوک لگتی ہے۔تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کے پیٹ میں ایک سانپ مستقل رہتا ہے۔جس وقت وہ سانپ انسان کی پسلیوں اور اس کے جگر کو کاٹتا ہے۔تو آدمی کو بھوک محسوس ہوتی ہے۔

(۳)

جب کسی شخص کے دماغ میں فرق آجاتا۔اور وہ پاگل ہو جاتا تو عربوں کے اعتقاد کے موافق اس پر خبیث روحوں کا سایہ ہو جاتا تھا۔اس کا علاج وہ اس طرح کرتے کہ نہایت گندے اور غلیظ کپڑے یا بدبودار ہڈیاں

اس کے گلے میں باندھتے اور یقین کرتے کہ ان کے اثر سے ناپاک روح اس آدمی کو چھوڑ کر چلی جائے گی۔

(۴)

سانپوں کو جنوں کا دوست سمجھتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اگر سانپ کو جان سے مارا گیا تو جن اس کا بدلہ ضرور لے گا۔اس کا توڑ وہ اس طرح کرتے کہ سانپ کو مارتے ہی فوراً گوبر میں چھپا دیتے۔

(۵)

جس عورت کے بچے ہو ہو کر مر جاتے۔اس کے علاج کے لیے ان کے ہاں یہ ٹوٹکہ تھا کہ وہ عورت کسی مقتول کی لاش کو اپنے پاؤں سے روندے۔ان کا اعتقاد تھا کہ ایسے کرنے سے اس عورت کا یہ مرض دور ہو جائے گا۔

(۶)

جب ان پر کوئی دشمن حملہ کرتا اور اس کے مقابلے کی طاقت وہ نہ رکھتے تو ان کی عورتیں میدانِ جنگ میں جا کر دونوں لشکروں کے درمیان بیٹھ کر پیشاب کرتیں۔ان کا یہ اعتقاد تھا ایسا کرنے سے جنگ پیشاب میں بہہ جائے گی۔اور صلح ہو کر آگ بجھ جائے گی۔

(۷)

جب کسی بدوی کے پاس خوش قسمتی سے ایک ہزار اونٹ ہو جاتے تو چونکہ یہ اس وقت کے لحاظ سے بہت بڑی دولت تھی۔لہٰذا نظرِ بد سے بچنے

کے لیے وہ اپنے اونٹوں میں سے ایک کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے۔ خواہ اسے کتنی تکلیف ہوتی اور وہ درد کے مارے کتنا ہی چیختا چلاتا۔

جب اونٹوں کی یہ تعداد بدوی کے پاس ایک ہزار سے بڑھ جاتی تو پھر وہ اس کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ دیتا۔ اس طرح ایک اونٹ کو بیکار کر دینے سے ان کے خیال میں سارے اونٹ نظرِ بد سے محفوظ ہو جاتے تھے۔

(۸)

جب کسی کو بخار ہو جاتا تو وہ یہ کام کرتا کہ ایک ڈورا لے کر کسی درخت سے باندھ آتا اور یہ اعتقاد رکھتا کہ جو کوئی اس ڈورے کو کھولے گا اسی کو میرا بخار چڑھ جائے گا۔ اور میں تندرست ہو جاؤں گا

(۹)

سب سے زیادہ فساد انگیز اور تباہ کن اعتقاد ان کا یہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے۔ تو قتل ہونے والے کے سر میں سے ایک الّو نکلتا ہے (جسے وہ لوگ ''ہامہ'' کہتے تھے) یہ الّو جنگلوں میں ''انتقام، انتقام'' پرتا پھرتا تھا۔ اب مقتول کے رشتہ داروں کا یہ فرض ہو جاتا تھا کہ وہ قاتل کو جہاں پائیں قصاص میں قتل کر ڈالیں۔

جب وہ اسے قتل کر ڈالتے تھے تو پھر اس قتل ہونے والے کے سر میں سے ''ہامہ'' نکلتا تھا۔ اور بیابانوں میں ''انتقام۔ انتقام'' کی صدا لگاتا پھرتا تھا۔

جب اس کے خاندان والے اس کے بدلہ میں دوسرے قبیلہ کے

آدمی کو قتل کر دیتے تھے۔ تو پھر اس کے سر سے الّو پیدا ہوتا تھا۔ اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے 'انتقام' کی ہولناک آواز لگاتا تھا۔

غرض اسی طرح ہر قتل ہونے والے کے سر میں سے ''ہامہ'' نکلتا رہتا تھا۔ اور صحراؤں میں پھر کر ''انتقام'' کا نعرہ لگاتا رہتا تھا۔ جس کا انتقام لے لیا جاتا تھا اس کا الّو مر جاتا تھا۔ اور جس کا قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ یا نہیں لیا جا سکتا تھا۔ اس کا الّو وادیوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اور انتقام انتقام پکارتا رہتا تھا۔ اس اعتقاد کا نتیجہ یہ تھا کہ قتل در قتل کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلتا چلا جاتا تھا۔ اور انتقام کی آگ ہر قبیلے میں برابر روشن رہتی تھی۔ جب کسی قبیلے کے لوگوں کو بزدلی کا طعنہ دینا ہوتا تو کہا کرتے تھے کہ ''تم لوگ ہمارے سامنے کیا منہ لے کر بول سکتے ہو۔ تمہارے خاندان کے تو اتنے الّو ابھی تک ویرانوں میں پھر رہے ہیں''۔ مطلب یہ ہے کہ تم اتنے بزدل ہو۔ کہ اپنے مقتولوں کا انتقام بھی نہیں لے سکتے۔

(۳۶) تاریکی میں روشنی

جو کچھ اوپر کے بیانوں میں تم نے پڑھا۔ یہ اس کیفیت کا مختصر سا خاکہ ہے جو اس وقت عرب کی تھی۔ نہ صرف عرب کی بلکہ ساری دنیا کی اس زمانے میں قریباً یہی حالت تھی۔

عرب کے ہمسایہ ملک ایران میں آتش بازی زوروں پر تھی اور لوگ عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے تھے ہر قسم کے فسق وفجور کے عادی بن چکے تھے۔ ہندوستان ایک کروڑ اسی لاکھ معبودوں کے قبضے میں بری طرح پھنسا ہوا تھا اور اپنے سوا ساری دنیا کو ''ملیچھ'' سمجھتا تھا۔ خود اس کے اپنے ملک میں شودروں کی حالت کتوں سے بھی بدتر تھی۔ برہمن خدا بنے بیٹھے تھے اور سارے ملک کو اپنی مخلوق سمجھتے تھے۔

چین کا وسیع وعریض ملک سارے کا سارا عناصر پرستی میں مبتلا تھا۔ دیوتا بھی وہاں پوری شان سے براجمان تھے۔ باقی سارا ایشیا ''تاریک براعظم'' کی حیثیت رکھتا تھا جس میں لوگ جنگلیوں اور وحشیوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔

یورپ میں اس وقت صرف یونان اور روما کی سلطنتیں قابلِ ذکر تھیں اور ان کو اپنی قدیم تہذیب اور شائستگی پر فخر بھی تھا۔ مگر دونوں ملکوں اصنام

پرستی کی گہری گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ جہاں ہزاروں دیوتا صدیوں سے حکومت کر رہے تھے۔ باقی کا سارا براعظم خونخوار بھیڑیوں اور وحشی درندوں سے بھرا ہوا تھا۔ جو ہر طرف لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ بھٹوں اور غاروں میں رہتے۔ اور انسان کی کھوپڑیوں میں شراب پیا کرتے تھے۔ افریقہ میں صرف مصر ایسا ملک تھا۔ جہاں تہذیب وتمدن کے کچھ آثار نظر آتے تھے۔ مگر وہ بھی ''دیوتاؤں کے سرزمین'' تھی۔ اور خدا کو وہاں بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ امریکہ اور آسٹریلیا کے ممالک اس وقت معدوم محض تھے۔ اور کوئی بھی انہیں نہ جانتا تھا۔

مختصر یہ کہ دنیا کے پردے پر اس وقت کوئی بھی ملک ایسا نہ تھا جہاں پر بے شمار دیوتاؤں کی پوجا نہ ہوتی ہو۔ جہاں گھر گھر بت رکھے ہوئے نہ ہوں۔ اور جہاں ہر شخص کا معبود الگ نہ ہو۔ خدائے واحد کی پرستش کہیں بھی نہ تھی۔ خدا کو قادرِ مطلق۔ حیّ وقیوم۔ خالق ومالک اور واحد لاشریک سمجھنے والے اور خالص اسی کی عبادت کرنے والے اس وقت دنیا سے قطعاً ناپید تھے۔ ؎

خدا کہتے تھے مٹی۔ آگ۔ پانی کو۔ ہواؤں کو
پہاڑوں اور دریاؤں کو، بجلی کو گھٹاؤں کو
زمین پر خاک۔ پتھر اور شجر معبود تھے ان کے
فلک پر انجم وشمس وقمر معبود تھے ان کے
مرادیں مانگتے تھے ہر وجودِ بے حقیقت سے
نہ تھا محروم کوئی۔ جُز خدا۔ اُن کی عبادت سے

جب کفر کی تاریکی انتہا کو پہنچ گئی۔ ہر طرف ضلالت کا

اندھیرا چھا گیا۔ اور ساری دنیا عناصر پرستی کے تباہ کن گڑھے میں جا پڑی۔ تو خدائے ذوالجلال والاکرام نے چاہا کہ اس کی مخلوق اس ہولناک دلدل سے نکلے۔ اور اس طاقت اور عظمت والے خدا کو پہچانے۔ جو کل عالم کا حقیقی مالک اور خالق ہے۔ پس اس نے اپنے بندوں پر کمال رحم فرما کر رحمۃ للعالمینؐ کو بھیجا۔ جس نے آ کر ہر تاریکی اور ظلمت کو دور کر دیا۔ اور دنیا کو خدا کا چمکتا ہوا چہرہ پردہ اُٹھا کر دکھایا۔ جسے دیکھتے ہی سعید روحیں فوراً سجدے میں گر پڑیں ۔ میرے ہادی! میرے رہنما! میرے آقا! تجھ پر کروڑوں سلام۔ میرا جسم اور میری روح تجھ پر قربان۔ تو نے پیدا ہو کر انسانیت کی لاج رکھ لی۔

[1] شاہنامۂ اسلام از حفیظ جالندھری

(۳۷) متبرّک غار

دنیا کی اس گندی اور ناپاک حالت کو دیکھ کر مکّے کے نفیس اور پاک باطن محمدؐ کا دل نہایت غمگین ہوتا تھا۔ اور بڑی تڑپ آپ کے دل میں اس بات کی پیدا ہوتی تھی کہ آدمی شیطانی کام نہ کریں اور نیک اور پاکباز زندگی اختیار کریں۔ ہزار سوچتے تھے مگر انہیں کوئی ایسا راستہ نہ ملتا تھا کہ دنیا کی اخلاقی حالت کی اصلاح ہو۔

آخر اُن کا دل اس پاپوں بھری دنیا سے نفرت کرنے لگا اور انسان نما بھیڑیوں کی صحبت میں اُنہیں وحشت ہونے لگی۔

مکہ سے قریب تین میل کے فاصلے پر کوہ حرا میں ایک غار تھا پانچ سے چھ دن کا کھانا اکھٹا لے کر آپؐ اس غار میں چلے جاتے اور وہاں تنہائی اور سکون میں بیٹھ کر سوچتے کہ ایسی کیا تدابیر اختیار کی جائیں کہ قوم کی اصلاح ہو اور ان کی حالت درست ہو۔

کبھی کبھی آپ کی رفیق و مونس، ہمدرد و غمگسار اہلیہ بھی ساتھ آتیں اور دونوں میاں بیوی غار کی تاریکی میں قوم کے غم میں آنسو بہاتے اس کی درستگی کے وسائل پر غور کرتے اسکے لئے دعائیں کرتے اور خدا کی یاد میں منہمک رہتے تھے۔

مدت تک اسی طرح ہوتا رہا مگر آپ کی پریشانی اور غمگینی کم نہ ہوئی لیکن وہاں اس دوران میں آپ کو سچے خواب بہت آتے تھے جو اکثر فوراً

پورے ہو جاتے۔

یہ تھی نبوت کی ابتداء۔

(۳۸) وحی کا فرشتہ

ایک روز حسب معمول آپ غار میں تشریف رکھتے تھے کہ یکا یک بجلی کی مانند ایک تیز روشنی نے آپ کی آنکھیں کو چوندھیا دیا۔

آپ نے نظر اوپر اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا عظیم الشان نورانی پیکر زمین و آسمان کے درمیان نور کے تخت پر متمکن ہے اور بڑی اور عظمت اور شوکت اس روحانی پیکر پر برس رہی ہے۔ یہ تھا آسمانی فرشتہ جو پہلی مرتبہ سرور عالمؐ پر خدا کی وحی لے کر آیا تھا اس کا نام جبریل تھا اسے روح القدس بھی کہتے ہیں۔

آپ نے جبریل کو دیکھا اور حیران رہ گئے۔

اب فرشتہ اپنے پر جلال تخت سے اترا۔ اور آپؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ فرشتہ کا چہرہ چمک رہا تھا اور اس میں نور کی شعاعیں نکل نکل کر تمام فضا کو منور کر رہی تھیں۔ فرشتہ نے کہا کہ ''محمدؐ پڑھو''۔

آپ نے ایک گھبراہٹ کے ساتھ فرمایا ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

یہ سُن کر جبریل آگے بڑھا۔ آپ کو پکڑا اور سینے سے لگا لیا۔ پھر چھوڑ کر کہا۔ ''اب پڑھو''۔

آپ کا وہی جواب تھا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔

روح القدس نے دوبارہ آپ کو چھاتی سے لگا کر بھینچا اور کہا اب ''پڑھو''۔

آپؐ نے وہی جواب دیا جو پہلے دو مرتبہ دے چکے تھے۔

اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ نے تیسری مرتبہ آپ کو اپنے سینے سے چمٹایا اور پھر چھوڑ کر کہا:۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ

(یعنی اپنے رب کا نام لے کر پڑھ۔ اس رب کا نام جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ اور انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا۔ تیرا پروردگار بڑی شان وعظمت والا ہے۔ اُسی نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور اُسے وہ باتیں بتائیں جن کا اُسے بالکل پتہ نہ تھا) آپ فرشتہ کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ پڑھتے رہے۔ اور اُس کے بعد فرشتہ غائب ہوگیا۔

یہ تھی پہلی وحی جو خدائے ذوالجلال کی جانب سے ہمارے آقا پر نازل ہوئی۔

(۳۹) غمگسار بیوی

غار حرا کا واقعہ میرے آقاؐ کے لیے بالکل نیا اور نہایت حیران کن تھا۔ فرشتے کے بھینچنے اور دبانے سے آپ کو پسینہ آ گیا اور آپ بیحد گھبرا گئے۔ حضور ﷺ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہوا؟ اور کیا ہونے والا ہے؟ سخت پریشانی کی حالت میں غار سے نکلے۔ پہاڑ سے اترے اور جلدی جلدی گھر پہنچے۔

وفا شعار بیوی نے مقدس شوہر کی شکل دیکھی۔ تو گھبرا گئی۔ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔ ''میری جان آپ پر قربان! کیا ہوا؟ نصیب دشمناں کیا کچھ طبیعت خراب ہے''؟

آنحضرت ﷺ اس وقت کانپ رہے تھے اور حضور کا دل دھڑک رہا تھا۔ فرمانے لگے۔ ''زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ'' (مجھے کپڑا اُڑھادو۔ مجھ پر چادر ڈال دو)

خدیجہؓ نے جلدی سے اپنے جسم پر سے چادر اتاری اور اپنے محبوب خاوند کو اُڑھادی۔ پھر پاس بیٹھ کر بدن کو دبانے لگیں۔

کچھ دیر یہی حالت رہی اور حضورؐ کی کپکپاہٹ جاری رہی۔ جب قدرے سکون ہوا تو بیوی نے بڑے ہی ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔'' واقعہ کیا

ہوا؟ اور کیوں آپ اس قدر مضطرب ہیں؟ آپ کا دل اب بھی دھڑک رہا ہے۔ جلدی بتلائیے۔ میرا دل آپ کی حالت دیکھ کر بہت پریشان ہو رہا ہے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "خدیجہ! جو کچھ میں نے دیکھا ہے اور جو کچھ آج میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ تم اُس پر شاید ہی یقین کرو"۔

خدیجہؓ بولیں۔ "میرے محترم شوہر! فرمایئے کیا بات ہوئی۔ یقین کیوں نہ آئیگا؟ آپ نے آج تک کوئی ایسی بات نہیں کہی جس کا مجھے فوراً یقین نہ آ گیا ہو"۔

حضورؐ فرمانے لگے۔ "آج جبکہ معمول کے موافق میں غار کے اندر بیٹھا ہوا عبادت میں مشغول تھا کہ ناگاہ میری آنکھوں کے آگے ایک بجلی سی چمکی۔ میں نے نظر اوپر اٹھائی تو آسمان و زمین کے درمیان ایک نورانی وجود کو معلّق پایا۔ ابھی میں اُسے حیرت سے دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ نیچے اترا اور تین مرتبہ مجھے اپنے سینے سے چمٹا کر چند کلمات تعلیم کئے۔ جو مجھے ابھی تک یاد ہیں۔ اس کے بعد وہ یکدم غائب ہو گیا اور غار میں اندھیرا چھا گیا

لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي

(یعنی مجھے اپنی جان کا ڈر پیدا ہو گیا ہے)۔

ابھی حضور ﷺ یہیں تک پہنچے تھے کہ غمگسار بیوی جلدی سے بولیں:۔

"نہیں! نہیں! ایسا خیال ہرگز نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی

ضائع نہیں کرے گا۔ آپ لوگوں کے ساتھ رحم و مروت سے پیش آتے ہیں ۔ اور نہایت صادق القول و راستباز ہیں۔ غیروں کی مصیبت میں اُن کے کام آتے ہیں اعلیٰ اخلاق جو دنیا سے ناپید ہو گئے تھے۔ وہ سارے کے سارے آپ میں موجود ہیں۔ آپ بڑی فیاضی کے ساتھ مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں۔ اور ہر ایک نیک کام میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ بھلا ایسے صالح اور نیک انسان کو اللہ تعالیٰ کس طرح ضائع کر دے گا؟ آپ ہرگز کچھ فکر نہ فرمائیں"۔

باقی رہا یہ معاملہ جو آج آپ کو پیش آیا۔ بیشک یہ عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ مگر ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے چلتی ہوں۔ وہ آسمانی کتابوں کا ماہر اور بڑا عالم فاضل شخص ہے۔ وہ ضرور اس کے متعلق ہماری تشفی کر دے گا۔ اور بتلا دیگا کہ معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ آپ گھبرائیں نہیں اُٹھ کر کچھ کھا پی لیں۔ اور کچھ دیر آرام کر لیں۔ جب آپ کی طبیعت کو ذرا سکون ہو جائے گا۔ تو پھر ہم دونوں ورقہ کے پاس چلیں گے۔

(۴۰) پیغمبرؐ کا تعجب

جب آفتاب نکلنے کو ہوتا ہے تو پہلے بہت ہی ہلکی سی سفیدی اُفقِ مشرق پر نمودار ہوا کرتی ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اب رات کی تاریکی ختم ہوئی اور دنیا نور سے منور ہونے والی ہے۔ بالکل ٹھیک اسی طرح عرب کی سرزمین پر آفتاب ہدایت طلوع ہونے سے پہلے بت پرستی اور عناصر پرستی کی اندھیری رات جب ختم ہونے کو ہوئی تو بعض عقلمند اور ہوشمند بت پرست خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے۔ انہوں نے آنکھیں مل کر جو دیکھا تو اپنے ہزارہا معبودوں کو نرا پتھر کا پایا۔ جو نہ بول سکتے تھے۔ نہ سُن سکتے تھے۔ نہ حاجت روا تھے۔ نہ مشکل کشا۔

اُن کی فطرتِ صحیحہ نے اُن کو یہ تو بتا دیا کہ یہ بت لاشے محض ہیں۔ مگر اُن کی عقل اُن کو حقیقی خدا کا راستہ نہ دکھا سکی۔ کیونکہ یہ راہ بغیر وحی و الہام کی روشنی کے نظر نہیں آتی۔

وہ لوگ جنہوں نے بت پرستی کو بیزار ہو کر چھوڑا تھا۔ زیادہ نہیں تھے صرف گنتی کے دو چار آدمی تھے اور بس۔ ایک زید بن عمرو تھے۔ ایک کو قیس بن صاعدہ کہتے تھے۔ اور ایک شخص کا نام عثمان بن حویرث تھا۔ مگر ان سب لوگوں میں سب سے زیدہ مشہور ورقہ بن نوفل تھے۔ جو بت پرستی کو چھوڑ کر

عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ توریت۔ زبور اور انجیل کے عالم اور انبیاء گذشتہ کی پیشگوئیوں اور صحفِ سماوی کی تفسیروں سے بخوبی واقف تھے۔ اور قریش میں بہت معزز حیثیت کے مالک تھے۔

ان ہی کے پاس خدیجہ اپنے شوہر کو لے گئیں اور کہنے لگیں کہ "بھائی! آج تمہارے اس بھتیجے کے ساتھ ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ تم ذرا اُسے اِن ہی کی زبانی سنو اور پھر بتاؤ کہ یہ کیا ہوا۔

بوڑھے ورقہ نے کہا۔ "ہاں میاں سناؤ۔ کیا قصہ ہوا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "آج جبکہ میں غارِ حرا میں بیٹھا خدا کی یاد کر رہا تھا کہ میں نے ایک بہت عظیم الشان نورانی وجود کو دیکھا۔ جو آسمان سے اُتر کر آیا اور مجھے اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ "پڑھ"۔ اُس کے بعد چند کلمے مجھے پڑھائے اور پھر فضائے آسمانی میں گم ہو گیا۔ بس یہ واقعہ ہوا"۔

ورقہ نے سارا قصہ غور سے سنا اور پھر پوچھنے لگا۔ "جو کلمات نورانی وجود نے تمہیں پڑھائے تھے وہ تم کو یاد ہیں"؟

آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔ "ہاں خوب اچھی طرح یاد ہیں"۔ اس کے بعد حضورؐ نے وہ ساری آیات ورقہ کو سنائیں جو فرشتہ نے غار میں آپ کو پڑھائی تھیں۔

ان آیات کو سن کر ورقہ کہنے لگا:۔

"محمدؐ! تم اِس زمانہ کے سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہو۔ میں تمہیں نبوت اور رسالت کی مبارکباد دیتا ہوں۔ جو نورانی پیکر تمہیں دکھائی

دیا تھا۔ یقیناً وہی فرشتہ تھا۔ جو تم سے پہلے موسیٰؑ پر نازل ہو چکا ہے۔ اور جو
کلمات اُس نے تمہیں تعلیم کیئے۔ وہ خدا کی قسم خدا کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں
تھیں۔ اگر میں اُس وقت تک زندہ رہا۔ جب تم کو تمہاری قوم یہاں سے
نکالے گی۔ تو میں اُس مصیبت کے وقت میں ضرور ضرور تمہاری مدد کروں گا۔
کاش! میں اُس وقت تک زندہ رہوں۔ مگر بظاہر حالات امید نہیں۔ کیونکہ میں
بہت بوڑھا۔ نہایت ضعیف اور بیحد کمزور ہو چکا ہوں۔ ہاتھ پاؤں شل ہو چکے
ہیں۔ بصارت نے جواب دے دیا ہے۔ شاید برس چھ مہینے ہی میں مر
جاؤں''۔

ورقہ کی اس تقریر پر بہت ہی متعجب اور حیران ہو کر آنحضرتؐ نے
اُس سے پوچھا:۔

''مجھے میری قوم یہاں سے کیوں نکال دے گی؟ میں نے تو کبھی
کسی سے کوئی برائی نہیں کی۔ ہر ایک کا ہمدرد اور ہر شخص کا بہی خواہ ہوں۔ سب
لوگ مجھ سے خوش ہیں۔ سارے مکہ میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو میرا مخالف
یا دشمن ہو۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ میری قوم مجھے کیوں میرے وطن سے
نکال دے گی؟ نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں نے قوم کا کیا
بگاڑا ہے۔ جو وہ مجھے یہاں سے نکالے گی''؟۔

بوڑھا فاضل مسکرایا اور کہنے لگا۔'' ہونے والے مقدس نبی! ابھی
یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مگر واقعہ یہ ہے۔ کہ جب کبھی کسی انسان
نے ایسی بات کہی جیسی تم کہہ رہے ہو۔ تو اُس کی قوم نے ضرور اُس سے دشمنی

کی اور اُس کو سخت سے سخت تکلیفیں دیں اور بالآخر اُس کو اور اُس کے ماننے
والوں کو وطن سے نکال دیا۔ اچھا! خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ اور تم کو دشمنوں
کے شر سے بچائے''۔

یہ تھا سرور عالمؐ کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کرنے
والا سب سے پہلا انسان۔